تبدیلی لانے کے لیے
حزب التحریر کا منہج

حزب التحریر کی شائع کردہ کتاب

پہلا ایڈیشن:1989ء

دوسرا ایڈیشن:2009ء

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

"کہہ دو کہ میرا رستہ تو یہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت کے ساتھ، میں بھی اور میرے پیروکار بھی۔ اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں"

(یوسف:108)

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُم بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

"اور یہ کہ میرا رستہ یہی ہے جو کہ سیدھا ہے، تو تم اسی پر چلنا اور دوسرے رستوں پر نہ چلنا کہ (اُن پر چل کر) اللہ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ اللہ تمہیں اس کا حکم دیتا ہے تا کہ تم اللہ سے ڈرنے والے بنو" (الانعام:153)

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين، وإمام المتقين وعلى آله وصحبه

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اور درود وسلام ہو رسولوں کے سردار، متقیوں کے پیشوا پر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آل واصحاب پر، اور اس پر جو آپ ﷺ کی دعوت کا علمبردار بنا، جس نے آپ ﷺ کے طریقے کو اختیار کیا اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلا، جس نے اسلامی عقیدہ کو اپنی فکر کی بنیاد بنایا، حلال وحرام کو اپنے تصرفات کا پیمانہ بنایا اور احکامِ شرعیہ کو اپنے اعمال کے لئے راہِ عمل اور اقوال کے لئے ضابطہ بنالیا۔ امابعد

خلافت کا قیام تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے

پوری دنیا کے مسلمانوں کا قضیہ مصیریہ (زندگی اور موت کا مسئلہ، یعنی ایسا مسئلہ کہ جس کے لیے ایک مسلمان کو جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے) اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکم کو دوبارہ قائم کرنا ہے جو قیامِ خلافت کے ذریعے سے ہوگا یعنی مسلمانوں کے لیے ایک حکمران خلیفہ کا تقرر کیا جائے اور قرآن اور سنتِ رسول ﷺ کے نفاذ و عمل پر اس کی بیعت کی جائے۔ تاکہ وہ (خلیفہ) سارے نظام ہائے کفر کو مٹا دے اور ان کی جگہ اسلامی قوانین و احکام کا نفاذ و اجراء کر دے۔ اور یوں اسلامی علاقوں کو دارالاسلام میں تبدیل کر دے اور ان علاقوں میں موجود معاشرے کو اسلامی معاشرہ میں تبدیل کر دے۔ نیز اسلام کو دعوت اور جہاد کے ذریعے پوری دنیا تک پہنچائے۔

اس بات کے تعین کے ساتھ ہی کہ مسلمانوں کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ کیا ہے، اس مقصد کا تعین بھی ہو جاتا ہے جس کے حصول کے لئے اسلامی دعوت کا بیڑہ اٹھانے والے گروہوں، احزاب (پارٹیوں) اور جماعتوں پر جدوجہد کرنا فرض ہے۔ اور اس (مقصد کے تعین) کے نتیجے میں اس طریقۂ کار کا بھی تعین ہو جاتا ہے جسے اس مقصد کے حصول کیلئے اپنانا فرض ہے۔

اور اس بات کو سمجھنے کیلئے مندرجہ ذیل باتوں کی حقیقت کا جاننا ضروری ہے:

- مسلمانوں کے موجودہ حالات، اسلامی ممالک کی حقیقت،
- ان ممالک کی دار (یعنی دارالاسلام یا دارالکفر) کے لحاظ سے صورتِ حال،
- اُس معاشرے کی حقیقت جس میں آج کل مسلمان زندگی بسر کر رہے ہیں،

• نیز یہ کہ مندرجہ بالا تمام امور سے متعلق شرعی احکامات کیا ہیں۔ اور اس حکمِ شرعی کی معرفت جو اس زندگی اور موت کے مسئلے کو اختیار کرنے سے عائد ہوتا ہے۔

1) جہاں تک مسلمانوں کے موجودہ حالات کا تعلق ہے تو وہ مسلمان ہونے کے باوجود ایسے افکار اور جذبات کے زیرِ نگیں زندگی گزار رہے ہیں جو اسلامی ، مغربی، اشتراکیت، قومیت ووطنیت پرستی، علاقائی تعصب اور مذہبی گروہ بندیت کا ملغوبہ ہیں۔

2) جہاں تک اسلامی ممالک ، بشمول عرب ممالک کی حقیقت کا تعلق ہے، تو ان کے بارے میں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اِن تمام ممالک پر کفریہ نظاموں اور قوانین کے تحت حکومت کی جارہی ہے۔ ماسوائے چند اسلامی احکامات کے کہ جن کا تعلق نکاح، طلاق، نان ونفقہ ، میراث اور ولدیت سے ہے۔ اور جن کیلئے شرعی عدالتوں کے نام سے خصوصی عدالتیں بنائی گئی ہیں۔ اور ماسوائے چند اور شرعی احکام کے جو بعض اسلامی ممالک مثلاً سعودی عرب اور ایران وغیرہ کی عدالتوں میں نافذ کئے جارہے ہیں۔

3) جہاں تک "الدار" کا تعلق ہے یعنی وہ تمام ممالک جہاں بھی مسلمان رہ رہے ہیں، تو آج ان سب کی حقیقت یہ ہے کہ یہ دارُالکفر ہیں، دارالاسلام نہیں۔

اس حقیقت کی معرفت حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس بات کو معلوم کیا جائے کہ دارالاسلام اور دارالکفر کی حقیقت شریعت کے مفہوم کے مطابق کیا ہے۔

شرعی اصطلاح کی رو سے ''دارالاسلام'' وہ علاقہ ہے جہاں پر تمام تر حکومت اسلامی احکامات کے مطابق کی جارہی ہو اور جہاں کی امان (تحفظ) اسلام کی امان سے ہو۔ یعنی اس علاقے کا اندرونی اور بیرونی تحفظ مسلمانوں کی سُلطة (اتھارٹی) کے ذریعے سے ہو۔ چاہے وہاں کے باشندوں کی اکثریت غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔ جبکہ شرعی اصطلاح میں ''دارالکفر'' وہ علاقہ ہے جہاں کفریہ قوانین کے ذریعے حکمرانی کی جارہی ہو اور وہاں کی امان (تحفظ) اسلام

کے ذریعے سے نہ ہو۔ یعنی مسلمانوں کی سُلطة اور ان کی امان کے علاوہ ہو۔ خواہ وہاں کے باشندوں کی اکثریت مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔

اس لئے کسی جگہ کے دارالاسلام یا دارالکفر ہونے کا اعتبار اس ملک یا اس کے باشندوں کی وجہ سے نہیں، بلکہ وہاں کے قوانین و احکام اور امان کی بنا پر ہے۔ پس اگر اس علاقے کے قوانین و احکام اسلامی ہوں اور اُس کی امان مسلمانوں کے ذریعہ سے ہو تو وہ دارالاسلام ہو گا۔ اور اگر اُس کے قوانین و احکام کفریہ ہوں اور اُس کی امان مسلمانوں کے ذریعہ نہ ہو تو وہ دارالکفر یا دارالحرب شمار ہو گا۔ اگر اسلام اور مسلمانوں کی حکمرانی ہو تو پھر وہ دارالاسلام ہو گا۔ اور اگر وہاں کافرانہ نظام مسلط ہو اور وہاں کا تحفظ غیر اسلامی قوت کے ذریعے ہو، تو پھر وہ دارالکفر یا دارالحرب شمار ہو گا۔

اور یہ بات سلیمان بن بریدہ کی اس حدیث سے ماخوذ ہے، جس میں یوں ارشاد فرمایا گیا: **(...أُدعُهُم اِلَی الاِسلَامِ' فَاِن اَجَابُوکَ فَاَقْبِل مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَی التَّحَوُّلِ مِن دَارِهِمْ اِلٰی دَارِ المُهَاجِرِيْنَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ اِنْ فَعَلُوْاذٰلِکَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِيْنَ)** "... انہیں اسلام کی طرف بلاؤ، اگر وہ مان جائیں تو ان کی طرف سے یہ بات قبول کر لو اور ان سے جنگ کرنے سے رک جاؤ۔ پھر انہیں اپنے دار سے دار المہاجرین کی طرف نقل مکانی کی دعوت دو، اور انہیں بتا دو کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو پھر ان کیلئے وہی (حقوق) ہوں گے جو مہاجرین کیلئے ہیں اور وہی (ذمہ داریاں) ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں" (مسلم)۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ نقل مکانی نہ کریں تو ان کیلئے مہاجرین کے حقوق نہیں ہوں گے۔ یعنی ان لوگوں جیسے، جو دارالاسلام میں ہیں۔ چنانچہ اس حدیث نے دارالمہاجرین کی طرف ہجرت کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے درمیان احکامات کے اختلاف کو واضح کر دیا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کے زمانے میں دارالمہاجرین ہی دارالاسلام تھا اور اس کے علاوہ باقی سارا جہاں دارالکفر تھا۔

اور یہیں سے دارالاسلام اور دارالکفر یا دارالحرب کی اصطلاح نکلی ہے۔ تو لفظ ''دار'' کے ساتھ اسلام یا کفر یا حرب کی اضافت درحقیقت قوانین اور سُلطة (اتھارٹی) کی وجہ سے ہے۔

اسی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دار کی نوعیت جاننے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں موجود اتھارٹی کی تحقیق کی جائے، تاکہ اس دار کی نسبت قائم کی جاسکے۔ اور اتھارٹی کے لئے دو باتوں کا پایا جانا ضروری ہے:

نمبر1: مخصوص احکام و قوانین کے ذریعے لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کرنا۔

نمبر2: ایسی قوت جو رعایا کی محافظ ہو اور احکام (قوانین) کا نفاذ کرے یعنی امان (تحفظ) قائم کرے۔

یہیں سے دار کی تعریف کے لیے مذکورہ بالا دونوں شرائط کا پایا جانا ضروری ٹھہرا۔

مزید بر آں جہاں تک قوانین کے نفاذ کا تعلق ہے، تو اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: ﴿ **وَمَن لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِکَ هُمُ الْکَافِرُوْنَ** ﴾ "اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے ذریعے فیصلہ نہ کرے، تو ایسے لوگ ہی کافر ہیں" (المائدۃ:44)۔

اسی طرح بدترین آئمہ (حکام) کے بارے میں عوف بن مالک کی وہ حدیث دلیل ہے جس میں یہ وارد ہوا ہے: **(...قِيْلَ يَارَسُولَ اللّٰهِ: اَفَلَانُنَابِذُهُم بِالسَّيفِ؟ فَقَالَ لَا ' مَااَقَامُوا فِيكُم الصَّلَاةَ)** "... کہا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم ان (حکمرانوں) کو تلوار کے ذریعے باہر نہ پھینک دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، جب تک کہ وہ تم میں نماز قائم کریں۔"

اسی طرح بیعت کے بارے میں عبادۃ بن صامت کی حدیث میں یہ آیا ہے: **(...وَاَنْ لَّانُنَازِعَ الاَمْرَ اَهْلَهُ اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ)** "...اور یہ کہ ہم اہلِ امر (حکام) سے جھگڑا نہ کریں، (آپ ﷺ نے فرمایا): ماسوائے جب تم کفر بواح (کھلم کھلا کفر) دیکھو، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل موجود ہو"۔

جبکہ طبرانی نے " کفراً بواحاً" کی جگہ " کفراً صراحاً " نقل کیا ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر غیر اسلامی قوانین کے ذریعے نظامِ حکومت قائم ہو تو حاکم کے سامنے تلوار اٹھانا فرض ہو جاتا ہے۔ اور اس

بات کی بھی دلیل ہے کہ اسلام کا نفاذ دارالاسلام کی شرائط میں سے ایک شرط ہے اور اگر یہ شرط موجود نہ ہو تو اسلحہ اٹھا کر جنگ کرنا فرض ہو جاتا ہے۔

جہاں تک امان (تحفظ) کا تعلق ہے کہ یہ اسلامی امان ہو، جس سے مراد یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی اتھارٹی کے ذریعے ہو، تو یہ شرط اللہ تعالیٰ کے اس قول سے لی گئی ہے: ﴿**وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً**﴾" اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے مؤمنوں پر (غالب آنے کا) ہرگز کوئی راستہ نہیں رکھا" (النساء:141)۔

یعنی یہ جائز نہیں کہ کفار کو مؤمنین پر سُلطة (اتھارٹی) حاصل ہو۔ کیونکہ ان کے غلبہ واختیار کی صورت میں مسلمانوں کا تحفظ کفر قوت کے ذریعے ہو گا نہ کہ اسلام کے ذریعے۔ نیز اس لئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ ہر اُس علاقے پر حملہ کرنے کا حکم دیتے تھے جو مسلمانوں کی سُلطة (اتھارٹی) کے زیر نگیں نہ ہوتا، اور آپ ﷺ اُن سے جنگ کرتے خواہ اس کے باشندے مسلمان ہوتے یا غیر مسلم۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جس علاقے پر حملہ کیا جائے اگر وہاں کے باشندے مسلمان ہوں تو آپ ﷺ نے انہیں قتل کرنے سے منع فرمایا۔ انس سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: (**كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اِذَا غَزَا قَوْمًا لَمْ يَغْزُحَتّٰى يُصْبِحَ فَاِذَا سَمِعَ اَذَاناً اَمْسَکَ وَاِذَا لَمْ يَسْمَعْ اَذَاناً اَغَارَ بَعْدَ اَن يُّصْبِحَ**)"رسول اللہ ﷺ جب کسی قوم سے لڑتے تو صبح ہونے تک ان پر حملہ نہ فرماتے۔ پھر آپ ﷺ اذان سنتے تو (حملے سے) رک جاتے اور اگر اذان نہ سنتے تو صبح ہونے کے بعد ان پر حملہ آور ہو جاتے" (بخاری)۔ اور عصام المزنی نے اپنے والد سے روایت کیا ہے، کہ نبی کریم ﷺ جب کوئی دستہ بھیجتے تو فرماتے: (**اِذَا رَاَيْتُم مَّسجِداً اَوْ سَمِعتُم مُّنَادِياً فَلَا تَقْتُلُوا اَحَداً**)"جب تمہیں کوئی مسجد نظر آئے یا اذان دینے والے کی آواز سنو تو کسی کو قتل مت کرنا" (مسند احمد)۔

کیونکہ اذان و مسجد دونوں اسلام کے شعائر میں سے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کسی ملک میں مسلمان باشندوں کا وجود ان پر حملہ کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہیں تھا، اور ان کے خلاف قتال قتالِ حرب تھا۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان کو دار الحرب یعنی دارالکفر میں شمار کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان (علاقوں) میں اگرچہ اسلامی شعائر ظاہر

ہوئے لیکن یہاں کی امان (تحفظ) رسول اللہ ﷺ کی اتھارٹی یعنی اسلامی سُلطة اور امان کے تابع نہیں تھی۔ اس لئے انہیں دار الحرب شمار کیا گیا اور ان پر ایسے ہی حملہ کیا گیا جیسا کہ کسی بھی دار الحرب پر حملہ کیا جاتا، تاکہ اسے دارالاسلام کا حصہ بنایا جائے۔

اور اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ آج کے تمام اسلامی ممالک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی شرط نہیں پائی جاتی، گو کہ ان میں سے اکثر کی امان (تحفظ) مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اس لئے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ انہیں دارالاسلام نہیں کہا جا سکتا، باوجود کہ یہ اسلامی بلاد (علاقے) ہیں اور یہاں کے باشندے مسلمان ہیں۔ کیونکہ ''دار'' کا اعتبار قوانین اور امان کی بناء پر ہے، نہ کہ ملک اور باشندوں کی بناء پر۔

4) جہاں تک اسلامی ملکوں کے معاشرہ (سوسائٹی) کی حقیقت کا تعلق ہے، تو وہ غیر اسلامی معاشرہ ہے۔

کیونکہ معاشرے کی بناوٹ کا دارو مدار افراد، ان کے افکار و احساسات اور نظام پر ہے، نہ کہ صرف افراد پر۔ اس لئے کسی بھی معاشرے کو محض اس بنیاد پر اسلامی معاشرہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہاں کے باشندے مسلمان ہیں۔

حقیقت میں معاشرہ ایسے لوگوں کے مجموعہ کا نام ہے جن کے درمیان دائمی روابط ہوں اور اگر ان کے درمیان دائمی روابط کا وجود نہ ہو تو وہ معاشرہ نہیں بلکہ گروہ ہے۔ جیسا کہ سفر کے ساتھی، جو بحری جہاز یا ہوائی جہاز یا قافلے میں اکٹھے ہوں۔

اور لوگوں کے درمیان دائمی تعلق کیلئے ضروری ہے کہ ان کے درمیان افکار، احساسات اور نظام کی وحدت ہو۔ اور اگر ان کے درمیان ان تین باتوں میں یکسانیت نہ پائی جائے تو پھر دائمیت بھی تشکیل نہیں پاتی اور یہ افراد ایک معاشرے کی شکل اختیار نہیں کر پاتے۔

یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ معاشرہ لوگ اور ان کے افکار، احساسات اور ان لوگوں پر نافذ نظام سے تشکیل پاتا ہے اور اسی بنیاد پر معاشرے بنتے ہیں۔ اور اسی طرح لوگوں کے افکار، احساسات اور نظاموں کے اختلاف سے معاشرے بھی مختلف قسم کے ہو جاتے ہیں۔

اسلامی ممالک میں موجود معاشرہ، مختلف قسم کے افکار و احساسات اور نظاموں کے ملغوبے کے زیرِ تسلط ہے، باوجودیکہ ان میں موجود افراد کی اکثریت مسلمان ہے۔ اس لئے یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ آپ کو مسلمانوں کے افکار و احساسات میں واضح اختلافات نظر آئیں گے۔ وہ ایک ہی وقت میں اسلام کی طرف بھی میلان ظاہر کرتے ہیں اور دوسری طرف کافر حکمرانوں کو بھی قبول کرتے ہیں۔ نیز اپنے اوپر کافرانہ نظاموں کے نفاذ پر خاموش بھی رہتے ہیں۔ مسلمان اسلام کی واپسی کی خواہش بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ قومی، علاقائی اور مذہبی گروہ بندیوں سے منسلک بھی نظر آتے ہیں۔ وہ امریکہ، برطانیہ اور روس کو اپنا دشمن گردانتے ہیں لیکن ساتھ ہی ان ممالک سے مدد بھی طلب کرتے ہیں، اور ان سے اپنے مسائل اور مشکلات حل کرنے کی توقع بھی رکھتے ہیں۔

ایک ہی وقت میں وہ یہ ایمان بھی رکھتے ہیں کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ آپ انہیں نسلی اور علاقائی تعصبات کا شکار بھی دیکھیں گے۔ پس نہ صرف ایک عربی کو عرب ہونے کا، ترکی کو طورانی ہونے کا، فارسی کو اپنے اہلِ فارس ہونے کا تعصب ہے، بلکہ ایک عراقی کو اپنے عراق، شامی کو اپنے شام اور مصری کو اپنے ملک مصر پر بھی تعصب ہے، حالانکہ یہ سب کچھ اسلام کے خلاف ہے۔

ایک طرف تو وہ اسلام پر ایمان لاتے ہیں اور دوسری طرف آپ انہیں جمہوریت، آزادیوں، عوام کی حکمرانی اور اشتراکیت وغیرہ جیسے افکار کی صدائیں بلند کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، جو کُلی طور پر اسلام سے متصادم ہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ تمام تر اسلامی ممالک میں مسلمانوں پر جو حکومتی، اقتصادی نظام اور تعلیمی و خارجہ پالیسیاں اور داخلی قوانین نافذ کئے جارہے ہیں، وہ تمام کے تمام نظام ہائے کفر اور قوانینِ کفر ہیں۔

یہ وہ چیز ہے جو تمام اسلامی ممالک میں پائے جانے والے معاشروں کو غیر اسلامی معاشرہ بنادیتی ہے۔

مندرجہ بالا حقائق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تمام (نام نہاد) اسلامی ممالک کے مسلمان ایک غیر اسلامی معاشرے میں زندگی بسر کر رہے ہیں، اگرچہ وہ مسلمان ہیں، اور یہ تمام ممالک دار الاسلام نہیں ہیں۔

اسی طرح یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ خلافت کو ختم کرنے کے بعد اور اسلام کو زندگی، ریاست اور معاشرے میں عملی نفاذ سے دور رکھنے کے بعد، مسلمانوں کا قضیہ مصیریہ (زندگی اور موت کا مسئلہ) یہ ہے کہ زندگی، ریاست اور معاشرے میں اسلام کا دوبارہ نفاذ ہو، جو اقامتِ خلافت اور خلیفہ کے تقرر سے عمل میں آئے گا۔ جس کی سمع و اطاعت کی بیعت اس شرط پر ہو گی کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق ان پر حکمرانی کرے گا، کفریہ قوانین اور نظاموں کو مٹائے گا اور ان کی جگہ اسلامی نظام اور قوانین کو لاگو کرے گا۔ اسلامی ممالک کو دارالاسلام میں تبدیل کرے گا اور وہاں پر موجود معاشرے کو اسلامی معاشرے میں تبدیل کرے گا۔ اسلامی ممالک کو خلافت کے زیر سایہ لا کر انہیں وحدت بخشے گا۔ اور اسلام کو ایک پیغام کے طور پر دعوت و جہاد کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش کرے گا۔

5) جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ کون سے احکام شریعت ہیں جو خلافت کے قیام کو مسلمانوں کے لیے قضیہ مصیریہ (زندگی اور موت کا مسئلہ) بناتے ہیں ہے، تو یہ وہ احکامِ شریعت ہیں جو مسلمانوں کے لئے اسلام کے تمام تر احکامات پر عمل کرنے، نیز زندگی، ریاست اور معاشرے میں ان احکامات کی تنفیذ کو فرض قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ "اور تمہیں رسول ﷺ جو کچھ بھی دیں اسے پکڑ لو، اور جس معاملے سے بھی منع کر دیں اس سے رک جاؤ" (الحشر: 7)۔ اس آیت میں لفظ ''ما'' (یعنی جو کچھ)، عموم پر دلالت کرتا ہے اس لئے یہ ہر چیز کو اپنانے اور اس پر عمل کرنے کو لازم قرار دیتا ہے جسے رسول ﷺ لے کر آئے اور ان تمام محرمات سے بچنے کو لازم قرار دیتا ہے جن سے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ هُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ﴾ "اور آپ ﷺ ان کے درمیان اللہ کی طرف سے نازل

شدہ احکامات کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے گا اور اس بات سے محتاط رہیں کہ مبادا یہ لوگ آپ ﷺ کو کسی ایسے حکم سے پھیر نہ دیں، جو اللہ نے آپ ﷺ کی طرف نازل کیا ہے" (المائدۃ:49)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں پر یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جملہ نازل شدہ احکامات و قوانین کے مطابق حکمرانی کریں۔ کیونکہ آیت کریمہ میں لفظ ''ما'' عام ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ تمام احکام کو شامل کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿**وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ**﴾ "اور جو (لوگ) بھی اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں" (المائدۃ:44)۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ تمام احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں تو وہ کافر ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں بھی لفظ ''بما'' (یعنی جو کچھ) عام ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ تمام احکام کو شامل کرتا ہے۔

یہ آیات اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ تمام احکامات کے ذریعے فیصلہ کرنے کی فرضیت کو واضح کر دیتی ہیں۔ لیکن آج مسلمانوں کے تمام علاقے اس سے خالی ہیں۔ لہٰذا زندگی، حکومت اور معاشرے میں اسلام کا اعادہ ہی مسلمانوں کے لئے قضیه مصيريه (زندگی اور موت کا مسئلہ) ہے۔

6) اور یقیناً اسلام نے اس قضیه مصيريه کے لئے کئے جانے والے اقدامات کو موت وحیات کے اقدامات قرار دیا ہے۔ چنانچہ مسلم نے عوف بن مالک سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(سَتَكُوْنُ اُمَرَاءُ فَتَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ ' فَمَنْ كَرِهَ بَرِيءَ ' وَمَنْ اَنْكَرَ سَلِمَ وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ ' قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ: اَفَلَانُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ : لَا ' مَا اَقَامُوافِيْكُمْ الصَّلَاةَ)** "ایسے حکمران ہوں گے کہ جن کے بعض کاموں کو تم معروف پاؤ گے اور بعض کو منکر۔ تو جس نے منکر کاموں کو برا جانا وہ بری ہوا اور جس نے ان سے انکار کیا وہ (گناہ سے) محفوظ رہا۔ لیکن جو راضی رہا اور تابعداری کی (وہ بری ہوا اور نہ ہی محفوظ رہا)۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: "یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم انہیں تلوار کی قوت سے نکال باہر نہ کریں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، جب تک کہ وہ تمہارے درمیاں نماز کو قائم رکھیں"۔ اور بخاری

نے عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: **(دَعَانَا رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَبَایَعنَاہُ' فَقَالَ فِیمَا اَخَذَ عَلَینَا اَنْ بَایَعنَا عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ فِیْ مَنشَطِنَا وَمَکْرَہِنَا وَعُسْرِنَاوَیُسْرِنَا' وَاَثْرَۃٍ عَلَینَا' وَاَن لَّانُنَازِعَ الأمْر اَھْلَہٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْراً بَوَاحاًعِنْدَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ فِیہِ بُرْہَانٌ)** "ہمیں رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی تو ہم نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (عبادہؓ نے) کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے ان شرائط پر بیعت لی کہ ہم پسندیدہ اور ناپسندیدہ (اوامر میں)، مشکل اور آسانی (کی حالت میں) اور اپنے آپ پر (دوسروں کو) ترجیح دیئے جانے کی صورت میں بھی سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ اور (اس پر بھی بیعت لی) کہ ہم کسی حاکم سے اس کے منصب میں تنازع نہیں کریں گے۔ (اس پر آپ ﷺ نے فرمایا) جب تک کہ تم (ان حکمرانوں سے) کفرا بواح (کھلم کھلا کفر) نہ دیکھ لو، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس کوئی قطعی دلیل موجود ہو"۔ اور طبرانی میں "کفراً بواحاً" کی جگہ "کفراً صراحاً" آیا ہے۔ عوف بن مالک کی حدیث میں اقامۃ الصلاۃ سے مراد اقامت دین ہے کیونکہ اس میں جزو کو کُل پر اطلاق کے لئے استعمال کیا گیا ہے (یعنی کُل کو بیان کرنے کے لیے جزو بولا گیا ہے)، اور یہ اسلام کے مطابق حکومت کرنے کے لئے کنایہ ہے۔ اور عبادہ بن صامت کی حدیث میں "کفراً بواحاً" کے جو الفاظ آئے ہیں اس سے مراد ہے کہ حکمران کے افعال سے کفر ظاہر ہو جائے، یعنی جب وہ کفریہ قوانین کے ذریعے حکومت کرنے لگے۔

دونوں حدیثوں کا مفہوم یہ ہے کہ ہم حکام کو اس وقت تلوار کے ذریعے نکال باہر پھینکیں، جب وہ اسلامی قوانین کو قائم نہ کریں اور شعائر اسلام ظاہر نہ کریں۔ اور یہ کہ جب وہ کفریہ قوانین کو قائم کریں تو ان سے لڑیں اور جب ان سے کفر بواح کا اظہار ہو جائے تو ان سے تنازع کریں۔ یہاں "منابذۃ" سے مراد قتال ہے جو انہیں حکومت سے ہٹانے اور اسلامی احکام کو دوبارہ قائم کرنے کیلئے ہو۔

ان دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے ذریعے حکمرانی کا قیام اور کفریہ قوانین کے ذریعے حکمرانی کا اختتام ان فرائض میں سے ہیں جو مسلمانوں کے لیے قضیہ مصیریہ ہیں، اور مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ان فرائض کو پورا کرنے کے اقدامات کو زندگی اور موت کا مسئلہ سمجھیں۔

غیر سیاسی جماعتوں کا قیام خلافت کے قیام کے فرض کو پورا نہیں کرے گا

اسلامی طرزِ زندگی کے دوبارہ آغاز کا مطلب ہے کہ مسلمان اسلام کے تمام تر احکامات پر عمل کی طرف واپس لوٹیں، خواہ یہ احکامات عقائد و عبادات سے متعلق ہوں یا اخلاق سے متعلق یا معاملات اور اقتصادی، حکومتی و معاشرتی و تعلیمی نظام سے متعلق یا دیگر اقوام اور ریاستوں کے بارے میں خارجہ پالیسی سے متعلق ہوں، اور مسلمانوں کے علاقوں کو دارالاسلام میں تبدیل کیا جائے اور ان علاقوں کے معاشروں کو اسلامی معاشرہ بنایا جائے۔

اور یہ سب یعنی اسلامی طرزِ زندگی کا ازسرِ نو آغاز خلافت کے قیام کے بغیر نہیں ہو سکتا، یعنی مسلمانوں کے لیے ایک حکمران خلیفہ کا تقرر کیا جائے جسے کتاب اللہ اور سنتِ رسول کے نفاذ کی شرط پر اطاعت کرنے کی بیعت دی جائے۔

اسلامی طرزِ زندگی کے دوبارہ آغاز کی جدوجہد کو بار آور بنانے کیلئے ضروری ہے کہ یہ جدوجہد ایک اجتماعی عمل ہو، اور اس بات کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ انفرادی ہو۔ کیونکہ انفرادی عمل کے ذریعے مقصد کا حصول ناممکن ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ایک فرد کی عقل اور فکر، خواہ کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو، وہ اکیلا اس مقصد کو حاصل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس کے لئے جماعت کے ساتھ مل کر کام کرنا لازمی ہے۔ **اس لئے یہ بات لازم ہے کہ خلافت کے قیام اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ (شریعت) کے مطابق دوبارہ حکومت قائم کرنے کیلئے اجتماعی طور پر کام کیا جائے یعنی حزب یا جماعت یا گروہ کی شکل میں۔**

اور یہ بھی لازمی ہے کہ یہ اجتماعی عمل سیاسی نوعیت کا ہو۔ اس کے غیر سیاسی ہونے کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ خلافت کا قیام اور خلیفہ کا تقرر ایک سیاسی عمل ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ (شریعت) کے ذریعے حکومت کرنا بھی ایک سیاسی عمل ہے اور یہ سب کچھ سیاسی عمل کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

چنانچہ وہ گروہ جو غیر سیاسی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں، ان کا مسلمانوں کے قضیہ مصیریہ (زندگی اور موت کے مسئلے) کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ وہ اس ہدف کو حقیقت کا رُوپ دے سکتے ہیں کہ جس کے حصول کے لیے عمل کرنا مسلمانوں پر فرض ہے، یعنی خلافت کا قیام اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ (شریعت) کے مطابق حکمرانی کو دوبارہ قائم کرنا۔ ایسے گروہوں کی مثال درجِ ذیل ہے:

الف: ایسی جماعتیں جو خیراتی کام کرتی ہیں:

مثلاً مدارس اور ہسپتالوں کی تعمیر، فقیروں اور یتیموں اور محتاجوں کی مدد وغیرہ۔ اگرچہ یہ کام ان بھلائی کے کاموں میں سے ہیں جنہیں کرنے کے لئے اسلام نے مسلمانوں کو ترغیب دلائی ہے لیکن ان کاموں کا مسلمانوں کے قضیہ مصیریہ (زندگی اور موت کا مسئلہ) سے کوئی تعلق نہیں۔ ان سے وہ غایت پوری کرنا ناممکن ہے جس کے حصول کے لئے جدوجہد کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ بلکہ ایسی جماعت کا اپنے آپ کو ایسے اعمال تک محدود کرنا ا نہیں "ما انزل اللہ" (اللہ کے نازل کردہ احکامات) کے مطابق دوبارہ حکومت کے قیام کے فرض سے دور کر دیتا ہے۔

علاوہ ازیں جو جماعت ہمیشہ کیلئے ایسے خیراتی کام سرانجام دیتی ہے تو گویا وہ دائمی طور پر لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کی ذمہ داری کو سرانجام دیتی ہیں، جبکہ لوگوں کے امور کی دائمی دیکھ بھال حکومت کے فرائض میں سے ہے، نہ کہ افراد اور جماعتوں کے فرائض میں سے۔

لیکن اگر یہ خیراتی کام مسلسل اور مستقل بنیادوں پر نہ ہوں تو وہ دائمی طور پر لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کے زمرے میں نہیں آتے۔ لہٰذا اس انداز سے ان کا کرنا جائز ہے اور احکامِ شریعت کی رُو سے یہ کارِ ثواب ہیں۔ البتہ ان کاموں کا مسلمانوں کے قضیہ مصیریہ سے کوئی تعلق نہیں۔

ب: وہ گروہ جو عبادات اور سنتوں کے التزام کی طرف دعوت دیتے ہیں:

عبادات اور نوافل کی دعوت کو اسلام نے سراہا ہے کیونکہ یہ اسلام کا جزو ہیں، اور اس خیر کا جزو ہیں جس کی طرف دعوت دینے کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر لازم قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ "اور چاہئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی، جو دعوت دیتے رہیں خیر کی طرف" (آل عمران:104)۔ مگر در حقیقت عبادات اور سنتوں کی طرف دعوت اسلام کے ایک جزو کی طرف دعوت ہے، جبکہ دعوت تو پورے کے پورے اسلام پر عمل کرنے کیلئے ہونی چاہئے، جس میں عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات، نیز نظامِ حکومت، معیشت، معاشرت، تعلیم، خارجہ سیاست اور دیگر تمام شرعی احکام شامل ہیں۔ اور صرف عبادات اور نوافل تک دعوت کو محدود رکھنے کا مسلمانوں کے قضيه مصيريه سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ایسا کرنے سے وہ غایت پوری ہو سکتی ہے جس کے لئے جدوجہد کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔

علاوہ ازیں ان اعمال کی انجام دہی میں جماعت کی توجہ اس ضروری کام سے ہٹ جاتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ کفریہ قوانین کا خاتمہ کیا جائے، اور زندگی، ریاست اور معاشرے میں اسلامی قوانین کو دوبارہ نافذ کیا جائے۔

ج: وہ جماعتیں جو اسلامی کتابوں کی تالیف، اسلامی ثقافت کی نشر و اشاعت اور وعظ و ارشاد کے کام سر انجام دیتی ہیں:

اگرچہ اسلامی ثقافت کی ترویج کیلئے کتابوں کی تصنیف و تالیف اور وعظ و ارشاد اعمالِ جلیلہ ہیں، لیکن یہ بھی مسلمانوں کے زندگی اور موت کے مسئلہ کے حل کا طریقہ نہیں ہے اور نہ یہ خلافت کے قیام، اور زندگی، ریاست اور معاشرے میں اسلام کی دوبارہ واپسی کا راستہ ہے۔

چنانچہ اگر سیاسی طور پر افکار کا علمبردار نہ بنا جائے تاکہ ان افکار پر عمل کیا جائے اور زندگی کے میدان میں انہیں وجود بخشا جائے، تو یہ افکار افراد کے ذہنوں میں معلومات، اور کتابوں کے اوراق میں محض علمی چیز کی حد تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور اسلامی کتب خانے ایسی ہزاروں کتابوں سے بھرے پڑے ہیں جن کا شمار اسلامی

ثقافت کی بیش قیمت اور عمدہ کتابوں میں ہوتا ہے۔ لیکن وہ اپنی جگہ جامد ہیں، جب تک ان افکار کو سیاسی انداز میں زندگی میں عملی صورت دینے کے لئے اختیار نہ کیا جائے اس وقت تک یہ اپنی جگہ جوں کے توں جامد ہی رہیں گے۔

اسی طرح اسلام اور اس کی ثقافت کی تدریس کیلئے کئی ایک مخصوص یونیورسٹیاں موجود ہیں مثلاً **جامعہ الازہر، الزیتونة، النجف** وغیرہ، جو اسلام اور اس کی ثقافت کی محض بطورِ نظریہ (تھیوری) تدریس میں تو مشغول ہیں لیکن یہ تعلیم عملی نفاذ کے نقطۂ نظر سے نہیں دی جاتی۔ ان یونیورسٹیوں سے ہر سال ہزاروں علماء فارغ التحصیل ہوتے ہیں لیکن ان کی حیثیت متحرک کتابوں سے بڑھ کر نہیں۔ کیونکہ انہوں نے اسلام کو بطورِ نظریہ (تھیوری) تو پڑھا ہے لیکن اس پر عمل کرنے، دوسروں تک پہنچانے اور اسے زندگی کے معاملات، ریاست اور معاشرے میں لاگو کرنے کیلئے نہیں۔

لہٰذا اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ وہ شرعی احکام اور حلال وحرام کے اسلامی پیمانوں کو سیاسی نظریات کی بنیاد نہیں بناتے۔ اسی طرح یہ بھی حیران کن نہیں کہ وہ ان پیمانوں کو اعمال اور روزمرہ کے واقعات و حوادث پر اپنی رائے اور فیصلہ دینے کے لیے بنیاد بھی نہیں بناتے۔

اور انہی جماعتوں کی مانند کچھ جماعتوں نے اپنے اعمال کو احادیثِ نبوی کے تصنیف و تخریج کے کام تک محدود کر رکھا ہے، تو اگرچہ یہ ایک عملِ جلیل ہے مگر یہ خلافت کے قیام کا باعث نہیں بنے گا اور مسلمانوں کے زندگی اور موت کے مسئلے کو حل نہیں کرے گا۔

د: وہ جماعتیں اور گروہ جو امر بالمعروف (نیکی کا حکم دینے) اور نہی عن المنکر (برائی سے منع کرنے) کے لئے قائم کیے جائیں:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کاموں میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَي الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ**﴾ "اور چاہئے کہ رہے تم میں (ہمیشہ) ایک جماعت ایسے لوگوں کی، جو دعوت دیتے ہوں بھلائی کی

طرف، معروف کا حکم دیتے رہیں اور منکر سے منع کرتے رہیں" (آل عمران:104)، **أمر بالمعروف اور نہی عن المنکر** ہر حال میں مسلمانوں پر فرض ہے خواہ خلافت موجود ہو یا نہ ہو۔ نیز چاہے اسلامی احکامات معاشرے یا حکمرانی میں نافذ ہوں یا نہ ہوں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں، اور ان کے بعد آنے والوں کے عہد میں بھی موجود تھا۔ اور آخر زمانے تک یہ کام مسلمانوں پر فرض رہے گا۔

لیکن **امر بالمعروف اور نہی عن المنکر** کا کام خلافت کو قائم کرنے اور زندگی، ریاست اور معاشرے میں اسلام کو دوبارہ لانے کا طریقہ نہیں ہے، اگرچہ یہ اسلامی طرزِ زندگی کے از سرِ نو آغاز کے عمل کا ایک جزو ہے۔ کیونکہ اس میں حکمرانوں کا محاسبہ، انہیں بھلائی کی ترغیب اور برائی سے منع کرنا بھی شامل ہے۔ لیکن اسلامی طرزِ زندگی کے دوبارہ آغاز کا کام **امر بالمعروف اور نہی عن المنکر** کے کام سے مختلف ہے۔

یہاں پر اس فرق کو سمجھنا ضروری ہے، جو **امر بالمعروف اور نہی عن المنکر** کے عمل اور منکرات کے ازالے کے عمل کے درمیان ہے۔ اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام صرف قول (زبان) تک محدود ہے جبکہ منکرات کو مٹانے کا کام صرف زبان تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایسی ریاست کی موجودگی کا محتاج ہے جو احکامِ شریعہ کو نافذ کر رہی ہو۔ پس ایسی ریاست کہ جو منکرات کا خاتمہ کرے، کے قیام کی کوشش کی بجائے اپنے آپ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تک محدود رکھنا مسلمانوں کے زندگی اور موت کے مسئلے کو حل کرنے کا طریقہ نہیں ہے۔

یہاں یہ ذکر کرنا اہم ہے کہ یہ درست نہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو صرف عوام الناس تک محدود رکھا جائے اور حکمرانوں کو امر و نہی نہ کی جائے۔ بلکہ حکمرانوں کو امر و نہی کرنا زیادہ اہم اور ضروری ہے، کیونکہ حکمرانوں کا محاسبہ اسلام میں انتہائی اہم کام ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(إِنَّهُ يُسْتَعْمَلُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ فَتَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ فَمَنْ كَرِهَ بَرِئَ وَمَنْ أَنْكَرَ سَلِمَ وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ)** "تم پر ایسے حکمران مقرر ہوں گے جن کے بعض کاموں کو تم معروف پاؤ گے اور بعض کو منکر۔ تو جس نے ناپسند کیا

وہ بری الذمہ ہوا اور جس نے انکار کیا وہ (گناہ سے) محفوظ رہا۔ لیکن جو راضی ہوا اور تابعداری کی" (مسند احمد)۔ یعنی جو برائی کو ناپسند کرے وہ اسے مٹا دے اور جو اسے مٹانے پر قادر نہ ہو اور دل میں اس پر انکار کرے تو وہ بھی محفوظ ہے۔ لیکن جو ان کے اس فعل پر راضی ہوا اور ان کی تابعداری میں اس پر عمل بھی کیا تو نہ وہ بری الذمہ ہوا اور نہ محفوظ رہا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(سَيِّدُ الشُّهَدَآءِ حَمْزَةُ وَرَجُلٌ قَامَ اِلٰى اِمَامٍ جَائِرٍ فَنَصَحَهُ فَقَتَلَهُ)** "شہداء کے سردار حمزہؓ ہیں اور وہ شخص جس نے ظالم حکمران کے سامنے کھڑے ہو کر اسے امر و نہی کی تو اس نے اسے قتل کر دیا" (الحاکم فی مستدرک)۔ اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: **(اَفْضَلُ الجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ تُقَالُ عِنْدَ ذِيْ سُلْطَانٍ جَائِرٍ)** "ظالم حکمران کے سامنے حق بات کہہ دینا افضل ترین جہاد ہے" (المعجم الکبیر، مسند احمد)۔

اسی طرح شریعت نے یہ قرار دیا ہے کہ اگر دارالاسلام موجود ہو اور اس کے حکمران کی طرف سے کفر بواح ظاہر ہو جائے یعنی وہ کفریہ قوانین کے ذریعے حکمرانی کرنے لگے یا پھر اپنے علاقے میں کفر کے سر اٹھانے پر خاموشی اختیار کیے رکھے، جیسا کہ اگر خلیفہ زنا یا چوری یا شراب کی حد کو کالعدم کر دے یا دین کے کسی بھی ایسے حکم کو کالعدم کر دے جو کہ معلوم من الدین بالضرورۃ ہے، تو ایسی صورت میں محض زبان سے محاسبے پر اکتفاء نہ کیا جائے، بلکہ شرع نے یہ طے کیا ہے کہ اس حالت میں تلوار کے ذریعے اس کا محاسبہ کیا جائے، چنانچہ اس صورتِ حال میں حکمران کے خلاف قتال کرنا اور اس کے خلاف اسلحہ اٹھانا واجب ہے۔ پس حکمران سے تنازعہ کیا جائے گا تاکہ وہ کفریہ قوانین سے رجوع کر لے، اور اگر وہ اس سے رجوع نہیں کرتا تو اس کے خلاف اسلحہ اٹھایا جائے گا اور اس سے لڑا جائے گا تاکہ اسے حکمرانی سے ہٹایا جائے اور شرعی احکامات کے نفاذ کا اعادہ کیا جائے، کیونکہ ام سلمہؓ سے مروی حدیث میں ہے: **(...قَالُوا يَارَسُولَ اللّٰهِ اَفَلَانُقَاتِلُهُمْ ؟قَالَ:لَامَاصَلُّوا)** "...انہوں نے (یعنی صحابہؓ نے) عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک کہ وہ نماز پڑھیں"۔ اور عوف بن مالک سے مروی حدیث میں ہے: **(...قِيْلَ يَارَسُولَ اللّٰهِ: اَفَلَانُنَابِذُهُمْ بِالسَّيفِ؟ فَقَالَ: لَا،مَا اَقَامُوْا فِيْكُمْ الصَّلَاة)** "پوچھا گیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم ان کے ساتھ تلوار سے جنگ نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک وہ تم لوگوں میں نماز کو قائم رکھیں"۔ اور نماز کو

قائم رکھنے سے مراد اسلام کے تمام احکامات کو قائم رکھنا ہے۔ یہاں پر جزو بول کر کُل مراد لیا گیا ہے۔ اور عبادہ بن صامت سے مروی حدیث میں آیا ہے: **(...وَاَنْ لَّانُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهُ اِلَّااَنْ تَرَوْا كُفْراً بَوَاحاً عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَان)**"...اور یہ کہ ہم امراء سے نہ لڑیں، مگر جب تک کہ تم کفراًبواحاً (کھلم کھلا کفر) دیکھو جس کے متعلق تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے برہان (قطعی دلیل) ہو"۔ اور طبرانی میں "کفراً بواحاً" کی جگہ "کفراً صراحاً" (واضح کفر) کے الفاظ آئے ہیں۔ اور مسند احمد کی روایت میں ہے: **(... مَالَمْ يَأمُرْكَ بِاِثْمٍ بَوَاحٍ)** "...(تم اس وقت تک اس کے خلاف قتال نہ کرو) جب تک وہ کھلے عام تمہیں گناہ کا حکم نہ دے"۔

یہ تمام احادیث اس وقت حکمران کے خلاف اسلحہ اٹھانے اور اس سے جنگ کرنے کو فرض قرار دیتی ہیں، جب وہ ایسے کفراًبواحاً (کھلم کھلا کفر) کا اظہار کرے جس کے بارے میں ہمارے پاس اللہ کی طرف سے دلیل ہو، یعنی جب وہ کافرانہ قوانین کے ذریعے حکومت کرنے لگے۔

البتہ حکمران کے خلاف ہتھیار اٹھانا اور جنگ کرنا اس وقت فرض ہوتا ہے جب وہ دار، دار الاسلام ہو، اور اس میں اسلام کے احکامات نافذ جاری ہوں، اور پھر حاکمِ وقت کفر بواح کے ساتھ حکومت کرنا شروع ہو جائے۔ کیونکہ عبادۃ بن صامت کی حدیث میں یوں آیا ہے: **(إلا أن تروا كفراً بواحاً)** "مگر یہ کہ تم کفر بواح دیکھو" اور طبرانی کی روایت میں آیا ہے: **(إلا أن تروا كفراً صراحاً)** "مگر یہ کہ تم واضح کفر دیکھو" یعنی تم کفر بواح یا کفر صریح دیکھ لو جسے تم پہلے نہیں دیکھتے تھے۔ جس کا مطلب ہے کہ پہلے تو اسلام نافذ تھا لیکن پھر حکمران کفر بواح یا کفر صریح کے ذریعے حکمرانی کرنے لگا۔

اور اگر وہ دار، دار الکفر ہو اور اسلامی قوانین نافذ ہی نہ ہوں، تو پھر مسلمانوں پر (کفر کے ساتھ) حکومت کرنے والے حکمران کو ہٹانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں نُصرۃ کے اس طریقے کو اختیار کیا جائے گا، جسے آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کو قائم کرنے اور اسلامی قوانین کے نفاذ کیلئے اختیار فرمایا تھا۔

ھ: وہ گروہ اور جماعتیں جو معاشرے کی اصلاح کیلئے اچھے اخلاق کی طرف دعوت کا کام کرتی ہیں:

اخلاقِ فاضلہ (اچھے اخلاق) کی طرف دعوت، بھلائی کی طرف دعوت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے۔ البتہ اخلاقِ فاضلہ کی دعوت، اسلامی احکامات میں سے ایک جزو پر عمل کرنے کی دعوت ہے، جبکہ دعوت میں یہ فرض ہے کہ وہ اسلام کے تمام احکام پر عمل کرنے کی طرف ہو، اور انہیں زندگی، حکومت اور معاشرے میں نافذ کرنے کیلئے ہو۔

نیز اخلاقِ فاضلہ کی دعوت شریعت کے ان انفرادی احکامات کی دعوت ہے، جن کا تعلق ایک فرد سے ہے۔ اور یہ دعوت احکاماتِ عامہ کی طرف نہیں کہ جن کا تعلق ریاست، کارزارِ حیات اور معاشرے میں پوری امت کے ساتھ ہوتا ہے۔

محض اخلاقِ فاضلہ کی طرف دعوت سے نہ تو معاشرے کی اصلاح ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس سے اُمت **نَہْضَہ** یعنی نشاۃِ ثانیہ حاصل کر سکتی ہے۔ کیونکہ معاشرے کی اصلاح اس میں موجود افکار واحساسات کی اصلاح سے ہوتی ہے جو اس معاشرے پر غالب ہوں، اور اس کے ساتھ ساتھ اُس نظام کی اصلاح سے، جو اس معاشرے میں نافذ ہو۔ یعنی اس عُرفِ عام کی اصلاح سے، جو معاشرے میں جاری ہو۔ کیونکہ معاشرہ افراد، ان کے احساسات اور نظام سے مرتب ہوتا ہے اور اس کی اصلاح بھی انہیں ترکیبی عناصر کی اصلاح سے ممکن ہے۔ یعنی افراد کی اصلاح اس طریق پر کہ لوگوں کے افکار واحساسات اور ان پر نافذ نظام کی اصلاح کی جائے۔

اور یہ بات بھی ہے کہ اخلاق کی طرف دعوت سے امت نشاۃِ ثانیہ (**نَہْضَہ**) حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ جس چیز سے نشاۃِ ثانیہ حاصل ہوتا ہے وہ دراصل فکری بلندی ہے۔ یورپ وامریکہ ناہض (ترقی یافتہ) ہیں، اگرچہ ان کی یہ نشاۃِ ثانیہ غیر صحیح ہے، کیونکہ صحیح نشاۃِ ثانیہ ایسی فکری بلندی ہے جس کی بنیاد روحانی ہو۔ لیکن یورپ اورامریکہ ناہض (ترقی یافتہ) ہونے کے باوجود اخلاقی گراوٹ میں ہیں۔ وہ اعلیٰ اخلاقی اقدار سے عاری ہیں اور چوپایوں اور حیوانوں کی سی زندگی گزار رہے ہیں۔

نیز اخلاقِ فاضلہ کی دعوت مسلمانوں کے قضیہ مصیریہ (زندگی اور موت کا مسئلہ) کے حل کی طرف دعوت نہیں ہے اور نہ ہی یہ دعوت اس غایت تک پہنچنے کا طریقہ ہے جس کے حصول کی جدوجہد کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ اور وہ غایت یہ ہے کہ خلافت کو قائم کیا جائے اور زندگی، ریاست اور معاشرے میں اسلام کو دوبارہ نافذ کیا جائے اور اسلام کو پیغام کے طور پر دعوت وجہاد کے ذریعے پوری دنیا کی طرف لے جایا جائے۔

اعلیٰ اخلاق کی طرف دعوت اُس خیر کی طرف دعوت میں سے ایک چیز ہے کہ جس کا اللہ تعالی نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا یہ اسلام کے احکامات کے ایک حصے کی طرف دعوت ہے اور یہ اسلام کے تمام تر احکامات کے نفاذ کی دعوت نہیں ہے پس یہ مسلمانوں کے زندگی اور موت کے مسئلے کو حل نہیں کرے گی۔ اس تمام سے یہ واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کے زندگی اور موت کے مسئلے کا حل اور اس ہدف کا حصول، کہ جس کیلئے جدوجہد مسلمانوں پر فرض ہے، اور وہ غایت کہ جس کے حصول کیلئے کوشش کرنا ان پر فرض ہے، یعنی زندگی، ریاست اور معاشرے میں اسلامی قوانین کے دوبارہ نفاذ و اجراء کیلئے خلافت کے قیام اور دعوت وجہاد کے ذریعے پورے عالم میں اسلام کو پہنچانا، یہ سب مسلمانوں کیلئے فرض قرار دیتا ہے کہ وہ ایسی سیاسی احزاب (پارٹیاں) قائم کریں جو اسلامی فکر کی بنیاد پر وجود میں آئیں اور سیاسی طور پر خلافت کے قیام اور اللہ کے نازل کردہ احکام کے دوبارہ نفاذ کیلئے کام کریں۔

یہی وجہ ہے کہ حزب التحریر کا قیام عمل میں آیا، اس بات کا ادراک حاصل کرنے کے بعد کہ مسلمانوں کا زندگی اور موت کا مسئلہ کیا ہے اور وہ غایت کیا ہے کہ جس کو پورا کرنے کے لیے کوشش کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔

خلافت کے قیام کے لیے حزب التحریر کا قیام

1) حزب التحریر کا آغاز:

جب معاشرے کو شدید قسم کے جھٹکے لگتے ہیں تو طبعی طور پر امت میں بیداری کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں امت کے افراد میں ایک مشترک اجتماعی احساس پیدا ہوتا ہے، یہ احساس اس جھٹکے کے اسباب تلاش کرنے کے لئے افراد کو غور و فکر کے عمل پر مجبور کرتا ہے تاکہ بچاؤ کیلئے کسی حل تک پہنچا جا سکے۔

یہ فکری عمل امت کے ماضی، حال اور مستقبل، قوموں اور امتوں کی تاریخ اور انکی نشاۃِ ثانیہ کے ذرائع، اور ان کے آپس میں موازنے پر مشتمل ہوتا ہے۔ نتیجتاً یہ فکری عمل کسی علاج اور حل کی طرف عقل کی رہنمائی کر دیتا ہے۔

مسلمانوں کو اس صدی کے شروع میں ایک شدید جھٹکا لگا جس نے ان کے وجود کو ہلا دیا۔ ان کی سرزمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ان کی وحدت کو منتشر کر دیا، اور انکی ریاست یعنی خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ یوں ان کی روح کو قتل کیا اور اسلام کو حکومت، زندگی اور معاشرے میں عملی نفاذ سے دور کر دیا گیا۔ خلافت ختم ہونے کے نتیجے میں اسلامی ریاست (چھوٹی چھوٹی) مملکتوں اور ریاستوں میں بٹ گئی، جو شروع میں کافر حکومتوں کی براہِ راست حکمرانی میں رہیں، اور بعد میں مسلمانوں ہی میں سے ان کافر ریاستوں کے ایجنٹوں کے ہاتھوں میں چلی گئیں۔ یوں تمام اسلامی ممالک میں کافرانہ نظام اور قوانین کا نفاذ ہو گیا۔

پھر اس ہلا دینے والے زلزلے کے بعد ایک اور جھٹکا لگا، کافر ریاستوں اور عرب ممالک کے حکمرانوں میں موجود ان کے ایجنٹوں نے ایک سازش کے تحت فلسطین کی سرزمین کو غصب کیا اور اس میں یہودیوں کی ریاست - اسرائیل کو قائم کر دیا۔

ان دونوں جھٹکوں کا مسلمانوں پر شدید اثر ہوا۔ پس وہ اپنے بچاؤ کے لئے حرکت میں آگئے، چنانچہ کئی اسلامی اور غیر اسلامی تحریکیں وجود میں آئیں لیکن وہ مسلمانوں کو ان دو خوفناک جھٹکوں کے اثرات سے نجات دلانے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

دوسرے جھٹکے کے بعد حزب التحریر اس وقت وجود میں آئی جب مسلمانوں میں سے کچھ افراد، جنہوں نے مسلمانوں کی اس حالت سے اثر لیا تھا، اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے امت مسلمہ کے سابقہ اور موجودہ حالات، نیز جو کچھ امت پر گزری اور جن حالات کا امت کو سامنا کرنا پڑا اور جس حال میں وہ آج پہنچی ہے، اِن سب کا اور ان کے اسباب کا بغور مطالعہ کیا۔ مزید برآں انہوں نے مسلمانوں کی موجودہ حقیقت ، اسلامی ممالک میں قائم معاشرے کی حقیقت، اِن (ممالک) میں امت کا حکمرانوں سے اور ان حکمرانوں کا امت سے تعلق اور ان حکمرانوں کی طرف سے نافذ شدہ نظام اور قوانین کا بھی مطالعہ کیا۔ اور اسی طرح ان افکاراور احساسات کا بھی بغور مطالعہ کیا جو مسلمانوں کے معاشرے میں ان پر غالب ہیں۔

اس دقیق مطالعے اور ان سب کی حقیقت کو سمجھنے کے بعد اس سے متعلق اسلامی احکامات کا مطالعہ کیا۔ پھر انہوں نے ان تحریکوں کا بھی جائزہ لیا جو مسلمانوں کو بچانے کیلئے وجود میں آئیں خواہ وہ اسلام کی بنیاد پر قائم ہوئی تھیں یا غیر اسلامی بنیاد پر۔

پھر اس گہرے مطالعے کے بعد وہ لوگ ایک معیّن، واضح اور شفاف فکر پر پہنچے اور اس (فکر) کی بنیاد پر حزب التحریر کا قیام عمل میں لائے۔

اس عمیق مطالعے کے بعد حزب التحریر اس نتیجے پر پہنچی کہ ملت اسلامیہ کا قضیہ مصیریہ (زندگی اور موت کا مسئلہ) زندگی، ریاست اور معاشرے میں اسلام کے دوبارہ نفاذ اور اسے ایک پیغام کے طور پر دعوت و جہاد کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔

اسی بنیاد پر حزب نے اپنی غایت کو اسلامی طرزِ زندگی کے از سرِ نو آغاز اور اسلام کی دعوت کا بیڑہ اٹھانے تک ہی محدود رکھا۔ نیز اس غایت کے حصول کیلئے حزب نے امت میں کام کرنا شروع کر دیا۔

جب حزب التحریر اپنے مطالعے کے ذریعے مسلمانوں کے قضیه مصیریه کے تعیّن تک پہنچ گئی تو اس ہدف کا تعیّن بھی ہو گیا جس کے لئے وہ جدوجہد کر رہی ہے۔ نیز اس غایت کی نشاندہی بھی ہو گئی جس کو حقیقت بنانے کے لئے وہ عمل پیرا ہے۔ **مزید بر آں اس نے وہ طریقہ بھی معلوم کر لیا جس پر چلنا اس غایت کے حصول کے لیے واجب ہے۔ اور یہ طریقہ وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت سے لے کر مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام تک اختیار کیا تھا۔**

2) حزب التحریر ایک ایسی سیاسی جماعت ہے:

جس کا مبداء (آئیڈیالوجی - عقیدہ اور اِس سے نکلنے والا نظام) اسلام ہے۔ پس حزب کا کام سیاست (لوگوں کے امور کی دیکھ بھال) کرنا ہے اور اسلام ہی اس کا مبدا ہے۔ وہ امت میں اور اُس کے ساتھ مل کر اس لئے سرگرمِ عمل ہے تاکہ امت زندگی، ریاست اور معاشرے میں اسلام کی واپسی کو اپنا قضیه مصیریه بنائے اور خلافت کے قیام اور اللہ کے نازل کردہ احکام کے دوبارہ نفاذ کیلئے امت متحرک ہو جائے۔

حزب التحریر ایک سیاسی پارٹی ہے جو اسلامی فکر کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہ نہ تو روحانی اور راہبانی گروہ ہے اور نہ ہی علمی یا تعلیمی جماعت ہے اور نہ ہی ایک ایسی پارٹی ہے جو فلاحی کاموں کے لیے بنائی گئی ہو۔ اسلامی فکر ہی وہ چیز ہے جس پر یہ حزب استوار ہے۔ اور یہی فکر اس کے تمام افراد میں مجسم ہے۔ حزب التحریر پوری امت کو اسی فکر کی طرف بلاتی ہے اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتی ہے اور یہ کہ امت حزب کے ساتھ ساتھ اس فکر کی علمبردار بنے تاکہ یہ فکر زندگی، ریاست اور معاشرے میں عملی طور پر قائم ہو جائے۔ یہی فکر حزب التحریر کے جسم کی روح، اس کی زندگی کا راز اور اس کے افراد کے درمیان قائم وہ ربط و تعلق ہے، جو انہیں آپس میں جوڑتا ہے۔

3) حزب التحریر کا کام :

آج کے مسلمان ممالک کے فاسد معاشرے کو بدلنے کیلئے اسلامی دعوت کا بیڑہ اٹھانا ہے اور اس معاشرے کو اسلامی معاشرے میں تبدیل کرنا ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ معاشرے میں موجود غیر اسلامی افکار کو اسلامی افکار سے تبدیل کر دیا جائے یہاں تک کہ یہ اسلامی افکار لوگوں کی عام رائے بن جائیں اور اسلامی تصورات لوگوں میں اتنے راسخ ہو جائیں کہ یہ تصورات انہیں اسلام کے نفاذ پر مجبور کر دیں اور لوگ ان تصورات کے تقاضوں کے مطابق عمل کریں۔ اور وہاں پر موجود غیر اسلامی احساسات کو اسلامی احساسات میں بدل جائیں۔ تاکہ لوگ اس کام میں راضی ہوں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو خوش کر دے، اور اس کام سے غیظ و غضب میں آئیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ناراض کرے۔ اور معاشرے میں قائم غیر اسلامی تعلقات اسلامی تعلقات میں بدل جائیں، جو اسلامی احکامات اور معالجات کے مطابق ہوں۔

یہ سارے کام جو حزب کر رہی ہے، سیاسی نوعیت کے ہیں۔ کیونکہ ان اعمال کے ذریعے حزب لوگوں کے امور کی شرعی احکامات اور معالجات کے مطابق دیکھ بھال کرتی ہے۔ چونکہ سیاست اسی کا نام ہے کہ لوگوں کے امور (معاملات) کی اسلامی احکامات و معالجات کے مطابق دیکھ بھال کی جائے۔

حزب کے ان سیاسی اعمال میں جو چیز نمایاں ہے، وہ اسلامی ثقافت سے امت کی **تثقِیف**(culturing) کرنا ہے، تاکہ وہ اسلام کے قلب میں ڈھل جائے۔ نیز امت کو فاسد عقائد، غلط افکار اور مفاہیم سے پاک کرنا اور کفریہ افکار و آراء کے اثر سے نجات دلانا ہے۔

مزید بر آں حزب کے سیاسی اعمال میں وہ فکری جنگ بھی نمایاں ہے، جو وہ کفریہ افکار اور نظاموں نیز غلط افکار، فاسد عقائد اور غلط تصورات کے خلاف لڑ رہی ہے۔ جس میں وہ ان کے فساد اور غلطی کو واضح کرتی ہے اور اس بارے میں اسلام کے حکم کو بھی بیان کرتی ہے۔

اسی طرح وہ سیاسی جدوجہد بھی حزب کے سیاسی اعمال کا نمایاں پہلو ہے جو وہ ان کفریہ ریاستوں کے خلاف کر رہی ہے، جن کا اسلامی ممالک میں اثر و رسوخ ہے۔ تاکہ امتِ مسلمہ کو ان کے غلبے اور اثر و رسوخ سے آزاد کر سکے اور ان کی فکری، ثقافتی، سیاسی اور عسکری جڑوں کو اور ان کے نظاموں کو تمام اسلامی ممالک سے اُکھاڑ سکے۔

نیز حزب کی اس جدوجہد میں عالم اسلام، بشمول عالم عرب کے حکمرانوں کی سرزنش کرنے، امت کے ساتھ ان کی خیانتوں کو ظاہر کرنے، امت کے خلاف ان کی سازشوں کو بے نقاب کرنے، ان کا محاسبہ کرنے اور ان کے افعال کو تبدیل کرنے کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ اور یہ جدوجہد ان حکمرانوں کی تبدیلی پر بھی مشتمل ہے کیونکہ انہوں نے امت کے بارے میں اپنے فرائض سے لاپرواہی برتی ہے، امت کے امور کی نگرانی میں کوتاہی سے کام لیا ہے، اور یہ حکمران اسلامی احکامات کی مخالفت کرتے ہیں اور کفریہ قوانین کو نافذ کر رہے ہیں۔

چنانچہ حزب کا پورا عمل ایک سیاسی عمل ہے، اور یہ کوئی تعلیمی عمل نہیں ہے، کیونکہ حزب کوئی مدرسہ ہے اور نہ ہی اس کا کام وعظ وارشاد ہے۔ بلکہ حزب کا عمل ایک سیاسی عمل ہے کہ جس میں وہ اسلام کے افکار، قوانین اور معالجات کو بیان کرتی ہے تاکہ ان پر عمل کیا جائے اور عملی زندگی، ریاست اور معاشرے میں اسے وجود میں لایا جائے۔

حزب اسلام کی دعوت کا بیڑہ اس لیے اٹھائے ہوئے ہے کہ اس کا عملی نفاذ ہو سکے۔ نیز اسلام کا عقیدہ ہی ریاست، دستور اور تمام تر قوانین کی بنیاد بن جائے۔

4) حزب التحریر کی غایت:

حزب التحریر کی غرض وغایت اسلامی زندگی کے از سرِ نو آغاز کرنا اور اسلام کی دعوت کا علمبردار بننا ہے۔ یعنی مسلمانوں کے قضيه مصيريه کو حل کرنا۔ اسلامی زندگی کے از سرِ نو آغاز سے مراد یہ ہے مسلمان دارالاسلام میں اسلامی طرزِ زندگی کا اعادہ کریں، اور اسلامی معاشرے کے طور پر زندگی بسر کریں جہاں اسلامی افکار اور احساسات ہی غالب ہوں اور جہاں اسلامی نظام اور شرعی احکام اس انداز میں نافذ ہوں کہ زندگی کے

تمام معاملات شرعی احکام کے مطابق چلائے جائیں، اوراس معاشرے میں لوگوں کا نقطۂ نظر حلال و حرام ہو جائے، اور یہ سب ایک اسلامی حکومت کے زیرِ نگیں ہونا چاہئے۔ یہی ریاستِ خلافت ہے، جس میں مسلمان ایک خلیفہ مقرر کرکے اس کے ہاتھ پر سمع و اطاعت کی بیعت اس شرط پر کریں گے کہ وہ (خلیفہ) کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق اُن پر حکومت کرے گا اور دعوت و جہاد کے ذریعے دنیامیں اسلام کا پیغام پہنچانے کا بیڑہ اٹھائے گا۔

اور حزب التحریر کا ہدف ہے کہ اُمتِ مسلمہ صحیح نَهضَه (نشاۃِ ثانیہ) حاصل کر سکے جو اسلامی عقیدہ پر مبنی روشن فکر کی بنیاد پر ہو۔ اور حزب التحریر اس کے لئے بھی کوشاں ہے کہ امتِ مسلمہ کو سابقہ عزت اور شان و شوکت دوبارہ حاصل ہو جائے۔ وہ دوسری ریاستوں، امتوں اور اقوام کے اثر سے بھی چھٹکارا حاصل کر لے اور پورے عالم میں صفِ اول کی ریاست بن جائے۔ جیسا کہ وہ ماضی میں تھی، اور دنیا کے معاملات کی دیکھ بھال اسلام کے احکامات کے مطابق کرتی تھی۔

اسی طرح حزب التحریر کے اہداف میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اسلام کو بطورِ پیغام تمام دنیا تک لے جائے اور کفر اور اس کے نظاموں اور افکار کے ساتھ جنگ میں امت کی قیادت کرے، یہاں تک کہ تمام روئے زمین پر اسلام کا پیغام پہنچ جائے۔

5) حزب التحریر کی ثقافت:

حزب التحریر نے اس پر اکتفاء نہیں کیا کہ وہ صرف اجمالی شکل میں اسلامی سوچ پر قائم ہو، بلکہ اس نے امت اور اس کی موجودہ صورتِ حال، اسلامی ممالک میں معاشرے کی حالت، رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی صورتِ حال، آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدینؓ اور تابعینؒ کے زمانے کے حالات، ابتدائے رسالت سے لے کر مدینہ منورہ میں ریاست کے قیام تک کی اسلام کی تاریخ اور اسلامی دعوت کا انداز اور مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے کام کرنے کے انداز کا بغور مطالعہ کیا۔ اور کتاب و سنت کی طرف رجوع کیا اور اجماع صحابہؓ اور قیاس

کی طرف بھی کیونکہ ان کی دلیل قرآن وسنت سے ملتی ہے، اور صحابہؓ، تابعین اور ائمۃ مجتہدین کے اقوال سے بھی استفادہ کیا۔ اس تمام تر تحقیق کے بعد حزب التحریر نے ایسے افکاروآراء اور تفصیلی احکامات کی "تَبَنِّی" کی (یعنی اختیار کئے) جن کا تعلق اسلامی فکر اور اس کے نفاذ کے طریقہ سے تھا۔ یہ افکار وآراء اور احکامات صرف اور صرف اسلامی ہیں، اوران میں کوئی چیز بھی غیر اسلامی نہیں اور نہ ہی یہ کسی بھی غیر اسلامی چیز سے متاثر شدہ ہیں۔ بلکہ یہ خالصتاً اسلامی ہیں اوران کے استنباط (اخذ کرنے) میں اسلام کے اصولوں اور نصوص کے سوا کسی اور چیز پر انحصار نہیں کیا گیا۔ حزب نے محض قوتِ دلیل کی بنیاد پر اپنے اجتہاد اور سمجھ کے مطابق ان کی "تبنی" کی ہے۔ لہٰذا حزب انہیں صحیح سمجھتی ہے، لیکن غلطی کے امکان کے ساتھ۔

حزب نے ایسے افکار وآراء اور احکام کو اختیار (تبنی) کیا ہے جن کا اختیار کرنا ایک جماعت کیلئے ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک سیاسی جماعت تب ہی جماعت کہلانے کی مستحق ہوتی ہے، جب وہ فکر اور طریقہ کی تفصیلات کی ایسی واضح ''تبنی'' کرے، جو اسلامی طرزِ زندگی کے از سرِ نو آغاز اور خلافت کے قیام اور خلیفہ کے تقرر کے ذریعے اسلامی دعوت کے کام کو سرانجام دینے کیلئے لازمی ہوں۔ اور وہ جماعت یہ واضح کرسکے کہ یہ افکار و آراء اور احکام اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اسلام، زندگی کے لئے ایک مبدا ہے، جو عقیدہ اور نظام پر مشتمل ہے اور جس میں اس زندگی کی تمام انسانی مشکلات کا حل موجود ہے۔

افکار، آراء اور احکامات کو اختیار (تبنی) کرنا حزب کو ایک معیّن شکل دیتا ہے۔ یہی افکار وآراء اور احکام حزب کے افراد کے درمیان تعلق ورشتے کا کام دیتے ہیں۔ نیز حزب کی اکائی کی وحدت اور اس کے افکار کی وحدت کے محافظ بھی ہیں۔ تاکہ حزب امت کو ان افکار و آراء اور احکام پر جمع کرسکے، کیونکہ وہ انہیں صحیح خیال کرتی ہے۔ تاکہ امت بھی ان کو اپنے افکار وآراء اور احکام کے طور پر اپنالے، ان پر عمل کرے اور حزب کے ساتھ مل کر انہیں زندگی، ریاست اور معاشرے میں نافذ کرنے کی کوشش کرے۔

اسی "تبنی" نے ان افکار وآراء اور احکام کو عالمِ اسلام، بشمول عرب ممالک کے، بلکہ پوری دنیامیں حزب کے افکار کے نام سے متعارف کرایا۔

حزب اس بات میں کامیاب ہے کہ عرب علاقوں سمیت تمام عالمِ اسلام بلکہ پوری دنیا اس بات کو پہچانتی ہے کہ یہ افکار و آراء اور احکام حزب کے افکار ہیں۔

یہ افکار و آراء اور احکام جنہیں حزب نے اختیار (تبنی) کیا ہے، اس کی کتابوں اور کثرت سے شائع کردہ پمفلٹوں میں موجود ہیں، جنہیں حزب نے امت کے لئے نشر کر دیا ہے۔

6) تبدیلی کے لیے حزب التحریر کا منہج :

جہاں تک تبدیلی کے لیے حزب التحریر کے منہج اور طریقۂ کار کا تعلق ہے، جسے حزب نے سیرتِ نبی ﷺ سے اختیار کیا ہے، اور جہاں تک اسلام کی دعوت کو پیش کرنے کی کیفیت کا تعلق ہے، تاکہ خلافت کو قائم کیا جائے، اللہ کے نازل کردہ حکم کا اعادہ ہو اور اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک پیش کیا جا سکے:

تو اس کے بارے میں حزب نے شرعی حکم اور رسول ﷺ کے اس طریقہ کار کا سختی سے التزام کیا ہے، جسے آپ ﷺ نے ریاست کے قیام، ریاست اور معاشرے میں شرعی احکامات کے نفاذ اور دعوت کو پیش کرنے کی کیفیت کیلئے اپنایا تھا۔

اور یہ اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں کو شرعی احکامات کے التزام، رسول ﷺ کی اتباع اور ہر اُس چیز پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے، جو رسول ﷺ اپنے رب کی طرف سے لے کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً﴾ "یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں بہترین نمونہ ہے، اس شخص کے لئے، جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے روز (بخشش کی) امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے" (الاحزاب:21)۔ نیز فرمایا: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ " (اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔" (آلِ عمران:31)۔ ایک جگہ اور فرمایا: ﴿وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا

نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ "اور تمہیں رسول ﷺ جو کچھ دیں اسے لے لو اور جس سے بھی روکیں، اس سے باز آجاؤ" (الحشر: 7)۔ ان کے علاوہ دیگر کئی آیات ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے، آپ ﷺ سے رہنمائی حاصل کرنے اور آپ ﷺ ہی سے احکامات اخذ کرنے کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔

حزب کو اس بات کا مکمل احساس ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار کو دعوت دی جبکہ آج ہم مسلمانوں کو دعوت دے رہے ہیں کہ وہ اسلام کے احکامات کی پابندی کریں اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے دوبارہ نفاذ کیلئے ہمارے ساتھ مل کر کام کریں۔ لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ افسوس آج کے اسلامی ممالک 'دارالاسلام' نہیں ہیں، اور وہ معاشرہ، جس میں موجودہ مسلمان زندگی گزار رہے ہیں ایک غیر اسلامی معاشرہ ہے۔

اس لئے حزب کی کوشش یہ ہے کہ اسلامی ممالک کو دارالاسلام میں تبدیل کرے اور ان میں موجود معاشرے کو ایک اسلامی معاشرے میں بدل دے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ (دار الکفر) اور دیگر علاقوں کو اسلام میں بدلنے کے لئے اور جاہلی معاشرے کو اسلامی معاشرے میں تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ مذکورہ بالا باتوں کی بناء پر حزب نے اپنے مشن اور دعوت کے کام کو سرانجام دینے کیلئے مندرجہ ذیل خطوط کا انتخاب کیا ہے:

1) حزب التحریر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل میں دعوت کا بیڑہ اٹھانے کے لئے قائم ہوئی:
﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾
"اور تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف دعوت دے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے" (آل عمران: 104)۔ علاوہ ازیں حزب کے قیام کی دوسری وجہ اس شرعی حکم کی تکمیل ہے جو مسلمانوں کو اسلامی احکام کے مطابق عمل کرنے اور ان کو اپنی زندگی، ریاست اور معاشرے میں دوبارہ نافذ کرنے کو فرض قرار دیتا ہے۔

حزب دعوت کا کام صرف فقط ایک فرض کی ادائیگی (قیام بالواجب) کے طور پر ہی نہیں کرتی، بلکہ یہ اس لیے بھی ہے کہ خلافت کے قیام اور شریعت کے دوبارہ نفاذ کو یقینی بنایا جاسکے۔

2) حزب اپنے تمام تصورات اور اعمال کے لیے شرعی حکم کی پابندی کو اپنے اوپر لازمی قرار دیتی ہے۔ اور دیگر آئیڈیالوجیز (مبادی)، افکار، واقعات و حوادث پر حکم صادر کرنے کے لئے شرعی حکم ہی کو بنیاد بناتی ہے اور تمام تصرفات و اعمال کے لئے حلال و حرام کو کسوٹی قرار دیتی ہے اور اس بات پر بھی ایمان رکھتی ہے کہ اتھارٹی صرف اور صرف اسلام ہی کو حاصل ہے اس کے علاوہ اور کسی کو نہیں۔

اس لئے حزب نے جرأت، صراحت اور وضاحت کو اپنے لئے لازم ٹھہرالیا ہے۔ نیز ہر اس چیز کو چیلنج کرنے کو بھی، جو اسلام سے متناقض ہو، خواہ اس کا تعلق دیگر آئیڈیالوجیز سے ہو یا مذاہب سے، عقائد سے ہو یا افکار سے، تصورات سے ہو یا نظام سے، عادات سے ہو یا رسم و رواج سے، اور چاہے اس وجہ سے اسے لوگوں کی شدید ناراضی یا انتقام کا نشانہ ہی کیوں نہ بننا پڑے۔ حزب اسلام کے معاملے میں نہ کسی سے سمجھوتہ کرتی ہے اور نہ کسی کی خوشامد۔ علاوہ ازیں حزب ان لوگوں کو، جو دیگر عقائد، افکار، آئیڈیالوجیز اور ادیان اپنائے ہوئے ہیں، یہ نہیں کہتی کہ "جس پر تم چل رہے ہو اسی پر قائم رہو"۔ بلکہ وہ ان سے یہ سب چھوڑنے کا مطالبہ کرتی ہے، کیونکہ صرف اسلام ہی صحیح ہے۔ یہ اس لئے کہ حزب سمجھتی ہے کہ اسلام کے سوا تمام ادیان جیسے یہودیت اور نصرانیت اور تمام مبادی(Ideologies) جیسے اشتراکیت، کمیونزم اور سرمایہ داریت کفریہ ادیان اور مبادی ہیں۔ نیز یہود و نصاریٰ کافر ہیں اور جو کوئی سرمایہ داری، اشتراکیت یا کمیونزم پر یقین (ایمان) رکھتا ہے وہ بھی کافر ہے۔

اور حزب یہ بھی سمجھتی ہے کہ قوم، وطن اور مسلکی گروہ بندی کی دعوت دینا اسلام میں حرام ہے۔ نیز وہ اس چیز کو مسلمانوں کے لئے حرام سمجھتی ہے کہ وہ ایسی جماعتیں تشکیل دیں جو سرمایہ داری، کمیونزم، اشتراکیت، لادینیت یا فری میسن ازم کی دعوت دیں، یا قومیت، وطنیت اور مسلکی گروہ بندی کا یا اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا پرچار کریں، یا وہ اس قسم کی جماعتوں میں سے کسی جماعت کے ساتھ منسلک ہوں۔

اسی طرح حزب نہ تو حکام کی چاپلوسی کرتی ہے اور نہ خوشامد کی قائل ہے اور نہ ان کی اور ان کے دساتیر و قوانین کی وفاداری کا اظہار کرتی ہے، کہ ان کی اتباع سے پارٹی کو دعوت کا بیڑا اٹھانے میں مدد ملے گی۔ کیونکہ شرعاً یہ جائز ہی نہیں کہ کسی فرض کی ادائیگی میں حرام ذرائع استعمال کئے جائیں۔ بلکہ حزب ان حکمرانوں کا محاسبہ کرتی ہے

اور ان پر کڑی تنقید کرتی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ جن نظاموں کو یہ نافذ کر رہے ہیں وہ کفریہ ہیں اور ان کو مٹا کر ان کی جگہ اسلامی احکامات کو لاگو کرنا ان پر فرض ہے۔ اسی طرح وہ ان حکمرانوں کو ظالم اور فاسق سمجھتی ہے کیونکہ وہ کافرانہ قوانین کے ذریعے حکومت کرتے ہیں۔ اور وہ حکمران جو یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام موجودہ دور کے مسائل کو حل نہیں کر سکتا یا اس کے احکامات میں سے کوئی ایک حکم بھی غلط ہے، حزب اسے کافر سمجھتی ہے۔

اسی طرح حزب ان حکمرانوں کے ساتھ حکومت میں شرکت کو قبول نہیں کرتی، کیونکہ یہ کفر کو نافذ کرنے میں شراکت ہے، جو مسلمانوں کے لئے حرام ہے۔ نیز یہ بھی قبول نہیں کرتی کہ اقتصادی، تعلیمی، اجتماعی یا اخلاقی میدان میں اصلاح کے لئے ان سے تعاون کرے۔ کیونکہ اس قسم کا تعاون ظالموں کی مدد، ان کی مضبوطی اور ان کے کفریہ اور فاسد نظاموں کو طول دینے کے مترادف ہے۔ بلکہ حزب ان حکام اور ان کے کافرانہ نظاموں کو، جنہیں وہ مسلمانوں پر نافذ کر رہے ہیں، جڑ سے اکھاڑ دینے کے لئے کوشاں ہے، تاکہ ان کی جگہ پھر سے اسلامی قوانین کا نفاذ ہو سکے۔

3) حزب پورے کے پورے اسلام کے نفاذ کے لئے جدوجہد کر رہی ہے، خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، اخلاق سے ہو یا نظاموں سے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر عمل ہو سکے: ﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاأَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ "اور تم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (قانون) کے مطابق ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو" (المائدۃ: 49)۔ نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول پر بھی: ﴿وَمَاآتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ "جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دیں وہ لے لو۔ اور جس چیز سے بھی وہ تمہیں روک دیں، اس سے رک جاؤ" (الحشر: 7)۔

دونوں آیتوں میں لفظ "ما" عموم کا صیغہ ہے۔ اس لئے یہ حکم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ تمام احکامات اور نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے تمام اوامر کو شامل کرتا ہے۔ اس بناء پر اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ تمام احکامات اور نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے تمام احکامات کا عملی طور پر نفاذ فرض ہے۔ نہ تو ایک حکم اور دوسرے حکم کے درمیان کوئی فرق ہے اور نہ ہی ایک فرض اور دوسرے فرض کے درمیان۔ اور نہ ہی ایک حرام اور دوسرے حرام کے

درمیان فرق روا رکھنا چاہیئے۔ بلکہ تمام کا نفاذ فرض ہے۔ اور یہ جائز نہیں ہے کہ بعض کا نفاذ ہو اور بعض کو چھوڑ دیا جائے، یا ان کے نفاذ میں تدریج (gradualism) سے کام لیا جائے۔ کیونکہ ہم تمام احکام کو نافذ کرنے کے شرعاً مکلف ہیں۔ اس لئے ان تمام احکامات کا یک بار اور مکمل نفاذ بھی فرض ہے۔

اور اگر موجودہ صورت حال اسلام کے مطابق نہ ہو، تو کسی طور یہ جائز نہیں ہے کہ اسلام کی ہی تاویل کر دی جائے تاکہ وہ موجودہ صورت حال کے مطابق ہو جائے۔ یہ اسلام میں تحریف ہے۔ بلکہ لازم یہ ہے کہ صورتِ حال کو تبدیل کر کے اسے اسلام کے موافق اور شرعی احکامات کے مطابق بنایا جائے۔

4) رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت سے لے کر ریاست کے قیام تک، دارالکفر کو دار الاسلام میں بدلنے تک اور جاہلی معاشرے کو اسلامی معاشرے میں تبدیل کرنے تک جو طریقہ اپنایا، اسی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حزب نے اپنا طریقۂ کار کو تین مراحل میں تقسیم کیا ہے:

پہلا مرحلہ: تَثْقِیف کا مرحلہ، تاکہ ایسے افراد پیدا کیے جائیں جو حزب کی فکر اور طریقہ پر پختہ یقین رکھتے ہوں اور اس کے نتیجے میں ایک منظم گروہ وجود میں آ سکے۔

دوسرا مرحلہ: امت کے ساتھ تفاعل (interaction) کا مرحلہ، تاکہ امت اسلام کی علمبردار بنے۔ یہاں تک کہ وہ اسے اپنا مسئلہ سمجھے اور زندگی، ریاست اور معاشرے میں اسے عملی صورت دینے کیلئے کام کرے۔

تیسرا مرحلہ: حکومت کو قبول کرنے، پورے اسلام کو مکمل طور پر نافذ کرنے اور اسے پوری دنیا میں پیغام کے طور پر پہنچانے کا مرحلہ۔

پہلا مرحلہ تاسیسی مرحلہ ہے، اس میں تخم ریزی ہوتی ہے اور فکر اور طریقہ کی طرف رہنمائی کے بعد پہلا حلقہ وجود میں آتا ہے۔ اور پھر یہ پہلا حلقہ امت کے افراد کے ساتھ انفرادی طور پر رابطے کی ابتداء کرتا ہے اور اس کے سامنے فکر اور طریقہ پیش کرتا ہے۔

جو شخص اسے قبول کر لے تو اسے گہرے مطالعہ کے لئے حلقات میں منظم کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ "تبنی" کردہ اسلامی افکار اور احکام کو اپنے اندر جذب کر کے ایک اسلامی شخصیت بن جائے، اسلامی عقلیت سے بہرہ مند ہو کر وہ افکار و واقعات اور حادثات کو اسلام کے نقطہ نظر سے دیکھنے کا عادی بن جائے، اور ان پر اسلام کے حلال و حرام کے پیمانوں کے موافق حکم لگائے۔ نیز وہ اسلامی "**نَفْسِیَّة**" سے ایسا بہرہ مند ہو کہ اسلام ہی اس کی زندگی کا محور بن جائے۔ وہ ہر اس چیز سے خوش ہو، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کا سبب بنے، اور ہر اس چیز سے غضبناک ہو، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضی کا سبب بنے۔ اور اسلام کا عملی تجربہ ہونے کے بعد وہ لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنے کا بیڑہ اٹھائے۔ کیونکہ وہ تعلیم، جو اس نے حلقات میں حاصل کی ہے، وہ ایک مؤثر عملی تعلیم ہے۔ جسے اس نے اس لیے حاصل کیا ہے کہ وہ زندگی میں اس پر عمل کر سکے اور لوگوں تک اسے پہنچائے۔

جب کوئی شخص مندرجہ بالا کیفیت تک پہنچ جائے تو وہ اپنے آپ کو پارٹی کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے، اور یوں وہ جماعت کا حصہ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دعوت کے ابتدائی مرحلے میں کیا کرتے تھے، جو تین سال تک جاری رہا۔ اس میں آپ ﷺ لوگوں کو فرداً فرداً دعوت دے کر ان پر وہ چیز پیش کیا کرتے تھے، جسے پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث کیا تھا۔ جو شخص اسے قبول کر کے آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لاتا، اسے اس دین کی بنیاد پر آپ ﷺ خفیہ طور پر اپنی منظم جماعت میں شامل فرمالیتے۔ اور جو کچھ اسلام میں سے آپ ﷺ پر نازل ہوتا، اس کی بڑی احتیاط سے تعلیم فرماتے۔ اسی طرح قرآن میں سے جو کچھ نازل ہوتا، یا پہلے سے نازل ہو چکا ہوتا، وہ اسے پڑھاتے۔ تاکہ وہ اسلام کے سانچے میں پوری طرح ڈھل جائے۔

اور جو کوئی آپ ﷺ پر ایمان لاتا آپ ﷺ اسے خفیہ طور پر ملتے اور خفیہ ٹھکانوں میں اسے تعلیم دیا کرتے۔ وہ لوگ مخفی طور پر اپنی عبادات سرانجام دیتے، یہاں تک کہ مکہ میں اسلام کا چرچا ہونے لگا، لوگ اس کے بارے میں باتیں کرنے لگے اور پے درپے اس میں داخل ہونے لگے۔

اس تاسیسی مرحلے میں حزب نے اپنا کام فقط تربیت تک محدود رکھا اور اس نے اپنی پوری توجہ اپنے ڈھانچے کی تشکیل، افراد میں اضافے اور حلقات میں "تبنی" (اختیار) کیے گئے عمیق افکار کی مدد سے ان کی تربیت پر مرکوز کی۔ یہاں تک کہ وہ ایسے نوجوانوں کی ایک منظم پارٹی تشکیل دینے میں کامیاب ہوگئی جو اسلام میں ڈھلے ہوئے ہیں اور حزب کے تبنی کردہ افکار پر کاربند ہیں اور انہی پر عمل کرتے ہیں اور ان افکار کو لوگوں تک پہنچانے کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں۔

جب حزب اپنی منظم پارٹی بنانے میں کامیاب ہوئی نیز معاشرے میں اسے محسوس کیا گیا اور اس کی فکر اور دعوت معروف ہوئی تو وہ دوسرے مرحلے کی طرف منتقل ہوگئی۔

جہاں تک دوسرے مرحلے کا تعلق ہے، تو یہ امت کے ساتھ تفاعل (interaction) کا مرحلہ ہے۔ تاکہ امت میں عمومی شعور اور رائے عامہ (**واعی العام و رائی العام**- Public awareness and Public opinion) اسلام کے ان افکار و احکام پر استوار ہو جائے، جنہیں حزب نے "تبنی" (اختیار) کیا ہے اور یوں امت اسلام کی ذمہ داری اٹھائے اور اسلام کو اپنا قضیه مصیریه (زندگی اور موت کا مسئلہ) قرار دے۔ اور تاکہ امت انہی کو اپنے افکار سمجھے، ان پر عمل کرے اور انہیں زندگی میں عملی صورت دینے کی علمبردار بن جائے۔ نیز امت اسلامی زندگی کے از سرِ نو آغاز اور پوری دنیا تک اسلام کی دعوت پہنچانے کے لئے خلافت کے قیام اور خلیفہ کو منصب پر فائز کرنے کے کام میں حزب کے ساتھ شریک عمل ہو جائے۔

اس مرحلے میں حزب عوام الناس کو اجتماعی طور پر مخاطب کرنے کی طرف منتقل ہوئی اور اس دوران مندرجہ ذیل اقدامات کا اہتمام کیا گیا:

1) حلقات میں افراد کی **مرتکز تَثْقِیف** کا اہتمام، جس سے حزب کے ڈھانچے کی نشوونما ہو، اس کے افراد میں اضافہ ہو اور ایسی اسلامی شخصیات تیار ہوں، جو دعوت کے کام کا بوجھ اٹھا سکیں اور فکری اور سیاسی جدوجہد کے میدان میں اتر سکیں۔

2) **امت کی اجتماعی تثقیف** کے لئے حزب مساجد میں دروس، لیکچروں، کانفرنسوں اور عام جلسوں کا اہتمام۔ نیز اخبارات، کتابوں اور نشرات (پمفلٹوں) کے ذریعے عوام الناس کو ان اسلامی افکار اور احکام کی تعلیم، جو حزب نے ''تبنی'' (اختیار) کئے ہیں۔ تاکہ امت میں عمومی آگاہی پیدا کی جائے اور پھر اس کے ساتھ مل کر کام کیا جائے۔ امت کو اسلام پر پختہ کیا جائے، اور ان میں سے ایک عوامی پلیٹ فارم(popular platform) تیار کیا جائے۔ تاکہ وہ امت کی قیادت کرتے ہوئے خلافت کے دوبارہ قیام اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کا نفاذ ممکن بنا سکے۔

3) **فکری جدوجہد:** کفریہ عقائد، کفریہ نظاموں اور افکار نیز فاسد عقائد اور غلط افکار اور گمراہ کن تصورات کے خلاف فکری جنگ کرنا۔ یہ اس طور پر کہ ان کی کجی، غلطی اور اسلام سے ان کا ٹکراؤ ظاہر کیا جائے۔ تاکہ امت کو ان سے اور ان کے اثرات سے نجات دلائی جائے۔

4) **سیاسی جدوجہد** جس کی صورت مندرجہ ذیل ہے:

(الف) اُن کافر استعماری ریاستوں کے خلاف جدوجہد کرنا، جن کا اسلامی ممالک پر غلبہ یا اثر ورسوخ ہے۔ نیز استعمار کی ہر شکل کے خلاف پوری جدوجہد کرنا، خواہ وہ فکری ہو یا سیاسی، اقتصادی ہو یا عسکری، اور یوں استعمار کے منصوبوں کو ظاہر کرنا اور اس کی سازشوں کو بے نقاب کرنا، تاکہ امت کو اس کے غلبے سے نجات دلائی جا سکے اور اس کے اثر ورسوخ سے آزاد کرایا جا سکے۔

(ب) عرب اور اسلامی ممالک میں حکمرانوں کو چیلنج کرنا، انہیں بے نقاب کرنا اور ان کا محاسبہ کرنا، نیز جب بھی وہ امت کے حقوق کو ہڑپ کریں، یا امت کے حق میں اپنی ذمہ داریوں میں کوتاہی کریں، یا اس کے امور کی ادائیگی میں تقصیر سے کام لیں، یا امت کے امور سے غفلت برتیں، یا اسلام کے احکامات کی مخالفت کریں، تو ان کے خلاف جدوجہد کرنا۔

اسی طرح ان حکمرانوں کی حکومت کو ختم کرنے کے لیے کام کرنا، جو کفریہ قوانین اور نظاموں کو نافذ کر رہی ہیں، اور ان کی جگہ اسلام کی حکمرانی کے قیام کی کوشش کرنا۔

5) امت کے مصالح کو اپنی مصلحتیں بنانا اور امت کے امور کی شریعت کے احکامات کے مطابق دیکھ بھال کرنا۔

حزب نے یہ طے کیا کہ وہ یہ تمام اعمال رسول ﷺ کی اتباع میں سر انجام دے گی، جیسا کہ آپ ﷺ اس آیت کے نزول کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے تھے: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ "جن احکامات کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا انہیں کھول کھول کر بیان کر دیں اور مشرکوں سے اعراض کریں" (الحجر:94)۔ پس آپ ﷺ نے اپنے کام کو ظاہر کر دیا، اور اس سلسلے میں قریش کو صفا کی طرف بلایا اور انہیں بتایا کہ وہ اللہ کی طرف سے بھیجے گئے نبی ہیں، اور ان سے اپنے اوپر ایمان لانے کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے اپنی دعوت کو مختلف گروہوں پر ویسے ہی پیش کرنا شروع کر دیا جیسا کہ پہلے مرحلے میں آپ ﷺ افراد پر پیش کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ قریش، ان کے معبودوں، ان کے عقائد اور افکار پر حملہ آور ہوئے، اور ان کی کمزوری، فساد اور غلطی کو واضح کیا۔ نیز ان کے عیوب بتائے اور انہیں ایسے ہی نشانہ بنایا جیسا کہ آپ ﷺ نے اس وقت موجود تمام عقائد و افکار کو نشانہ بنایا تھا۔ اس دوران میں آپ ﷺ پر مسلسل آیات نازل ہو رہی تھیں جن میں ان اعمال کو نشانہ بنایا گیا جو قریش میں رائج تھے، مثلاً سود کھانا، بیٹیوں کو زندہ در گور کرنا، ناپ تول میں کمی بیشی کرنا، زناکاری وغیرہ۔ اسی طرح ایسی آیات بھی نازل ہو رہی تھیں جن میں قریش کے زعماء اور سرداروں پر چوٹ کی جاتی، ان کی اور ان کے بڑوں کی بیوقوفی اور بے عقلی کا پول کھلتا۔ نیز قریش کی ان سازشوں کو بے نقاب کیا جاتا جو وہ رسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ کی دعوت اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کی مخالفت میں کر رہے تھے۔

حزب نے اپنے افکار کو دیگر افکار اور سیاسی گروہوں کے مقابل بڑی فصاحت سے رکھا۔ نیز وہ کفریہ ریاستوں کے خلاف جدوجہد اور حکمرانوں کی مخالفت اور مذمت میں بڑی صراحت اور چیلنج کا انداز لئے ہوئے ہے۔ حزب نہ تو مبہم انداز سے اس کام کو سر انجام دیتی ہے اور نہ ہی چاپلوسی اور خوشامد سے کام لیتی ہے اور نہ ہی اپنی سلامتی کی پرواہ

کرتی ہے۔ چنانچہ حزب ہر اس شخص کو چیلنج کرتی ہے، جو اسلام اور اس کے احکامات کی مخالفت کرتا ہے، قطع نظر اس کے کہ اس کے کیا نتائج نکلیں گے یا موجودہ حالات کیا ہیں۔ اور اس بناء پر اسے حکمرانوں اور سیاسی جماعتوں سے شدید اذیت اور انتقام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ کبھی کبھار اس سے عوام الناس بھی ناراض ہو جاتے ہیں۔

کیونکہ حزب یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں کرتی ہے۔ آپ ﷺ پوری دنیا کے لئے اسلام کا پیغام لے کر آئے اور آپ ﷺ نے پوری دنیا کے کفر اور اس کے افکار کو واضح انداز میں چیلنج کیا، اس حق پر ایمان رکھتے ہوئے، جس کی طرف آپ ﷺ دعوت دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں میں ہر سرخ اور سیاہ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ اور ان کی عادات، رسوم و رواج، ادیان، عقائد کی کوئی پرواہ نہ کی، اور نہ ہی اسلام کے مقابلے میں حکمرانوں اور عوام کو کسی کو خاطر میں لائے، پس آپ ﷺ نے اسلام کے علاوہ کسی اور چیز کی پرواہ نہیں کی۔ پس آپ ﷺ نے قریش کے خلاف تنقید شروع کی، اور قریش اور ان کے معبودوں کے عیوب بیان کئے، اور ان کے نظریات کو چیلنج کر کے ان کی حماقت کو آشکار کیا، جبکہ آپ ﷺ اکیلے ایک فرد تھے۔ نہ تو کوئی سازوسامان آپ کے پاس تھا، نہ ہی کوئی مددگار اور نہ کوئی اسلحہ۔ سوائے اس مضبوط اور محکم ایمان کے، جو آپ ﷺ کو اسلام کے پیغام پر تھا، اور جس کے ساتھ آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا تھا۔

اگرچہ حزب اپنے اسلوب میں صراحت، وضاحت اور چیلنج کی پابند ہے، مگر اس نے اپنے آپ کو سیاسی اعمال تک ہی محدود رکھا ہے۔ اور اس میں یہ اضافہ نہیں کیا کہ حکمرانوں، اپنی دعوت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے والوں اور اذیت پہنچانے والوں کے خلاف مادی (عسکری) وسائل کا استعمال کرے۔ یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے مکہ میں کام صرف دعوت تک محدود رکھا اور مدینہ کی ہجرت تک آپ ﷺ نے مادی وسائل کو بالکل استعمال نہیں کیا۔ جب **عقبة ثانية** کی بیعت کرنے والوں نے آپ ﷺ سے منیٰ والوں کے خلاف تلوار سے لڑنے کی اجازت چاہی، تو آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: (**لَمْ نُؤمَرْ بِذَالِکَ بَعْدُ**) "ہمیں ابھی اس کا حکم نہیں ملا" (طبقات الکبری)۔

اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تلقین کی کہ آپ اذیت پر صبر کریں، جیسا کہ آپ ﷺ سے پہلے رسولوں نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ **وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَأُوْذُوْا حَتّٰى اَتَاہُمْ نَصْرُنَا** ﴾ "اور آپ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا تو انہوں نے اس جھٹلانے پر صبر کیا۔ اور انہیں اذیت پہنچائی گئی، یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آن پہنچی "(الانعام:34)۔

طلبِ نُصرۃ

جب حزب کے سامنے معاشرے اور امت نے جمود کا مظاہرہ کیا تو حزب نے رہنمائی حاصل کرنے کیلئے پھر رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی طرف رجوع کیا اور اس کے مطالعے سے مندرجہ ذیل نتیجے پر پہنچی:

1) جب ابو طالب نے وفات پائی تو اس وقت مکہ کا معاشرہ نبی کریم ﷺ کے سامنے بالکل بند اور منجمد تھا۔ ابو طالب کی وفات کے بعد قریش کی آپ ﷺ کو ایذاء رسانی اس درجے تک بڑھ گئی کہ جو وہ آپ ﷺ کے چچا کی زندگی میں نہیں کرسکتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی حفاظت میں اس نسبت سے کافی کمزوری آگئی، جو ابو طالب کی زندگی میں آپ ﷺ کو میسر تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کی کہ اپنے آپ کو عرب کے مختلف قبائل پر پیش کرکے اپنے لئے ان کی حمایت ونصرت طلب کریں، تاکہ آپ ﷺ تحفظ اور سلامتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس دین کی تبلیغ کرسکیں جس کے ساتھ اس نے آپ ﷺ کو بھیجا ہے۔ ابنِ کثیر نے سیرت میں علی بن ابی طالب سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: "جب اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو حکم بھیجا کہ وہ اپنے آپ کو قبائل عرب پر پیش کریں تو آپ ﷺ منیٰ کی طرف نکلے۔ میں اور ابو بکر آپ ﷺ کے ساتھ تھے، حتیٰ کہ ہم عرب کی مجالس میں سے ایک مجلس تک پہنچے"۔

اسی طرح ابنِ کثیر نے ابن عباس سے اور انہوں نے عباس سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**لَاأَرَى لِيْ عِنْدَكَ وَلَاعِنْدَ اَخِيْكَ مَنعَةً' فَهَلْ اَنْتَ مُخْرِجِيْ اِلَى السُّوقِ غَدًا حَتّٰى نُقِرَّ فِيْ مَنَازِلِ قَبَائِلِ النَّاسِ۔ وَكَانَتْ مَجْمَعُ الْعَرَبِ، قَالَ: فَقُلْتُ هَذِهٖ كِنْدَةً وَلَفُّهَا ، وَهِيَ اَفْضَلُ مَنْ يَحُجُّ مِنَ الْيَمَنِ، وَهَذِهٖ مَنَازِلُ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ، وَهَذِهٖ مَنَازِلُ بَنِي عَامِرِبْنِ صَعْصَعَةَ ، فَاِخْتَرْ لِنَفْسِكَ ، قَالَ: فَبَدَأَ بِكِنْدَةَ فَأَتَاهُمْ**)"میں اپنے لئے آپ کے پاس اور آپ کے بھائی کے پاس حفاظت نہیں پاتا۔ تو کیا آپ مجھے کل بازار کی طرف لے چلیں گے، تاکہ ہم قبائل کے ساتھ بیٹھیں۔ (اس وقت) عرب کا اجتماع تھا۔ عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے

کہا: ''یہ ہیں بنوِ کندہ اور ان کے ہم نوا۔ یمن سے حج کیلئے آنے والوں میں یہ سب سے بہتر ہیں، اور یہ بکر بن وائل کے پڑاؤ ہیں اور یہ بنی عامر بن صَعْصَعة کے پڑاؤ ہیں۔ آپ ﷺ جسے چاہیں اپنے لئے پسند کر لیں۔'' عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بنو کندہ سے شروع کیا اور ان کے پاس آئے"۔

2) آپ ﷺ جن قبائل کے پاس جاتے، ان سے ایمان و تصدیق کے مطالبے کے بعد یہ مطالبہ کرتے کہ وہ آپ ﷺ کی حمایت کریں، تاکہ آپ ﷺ اس چیز کی تبلیغ کر سکیں، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے۔ اور وہ تمام نصوص، جو آپ ﷺ کے قبائل کے پاس تشریف لے جانے سے متعلق ہیں، اس بات کی شاہد ہیں کہ آپ ﷺ ان سے اپنے لئے اور اپنی دعوت کے لئے تحفظ طلب فرماتے تھے۔

3) بنو کندہ اور بنو عامر بن صعصعة کا آپ ﷺ سے مطالبہ کہ آپ ﷺ کے بعد حکمرانی ہماری ہو گی، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ آپ ﷺ کی حمایت و نصرت کے مطالبے سے یہ سمجھ گئے تھے کہ آپ ﷺ ان کے ہاں ایک سیاسی اکائی اور حکومت تشکیل دینا چاہتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے آپ ﷺ سے مدد کی شرط پر یہ مطالبہ کیا کہ آپ ﷺ کے بعد حکمرانی ہماری ہو گی۔

4) اہلِ مدینہ کی طرف سے آپ ﷺ کی نصرت، اور آپ ﷺ کا عقبہ ثانیۃ کے موقع پر ان سے بیعت لینا، اور محض مدینہ پہنچنے پر ہی حکومت کا قیام، یہ سب اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ آپ ﷺ کا حمایت و نصرت کے مطالبے سے مقصد یہی تھا کہ ایک اسلامی حکومت تشکیل پائے۔ تاکہ اس میں اسلامی احکام کا نفاذ ممکن ہو سکے۔

5) حزب اس مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ مدد طلب کرنے کا کام پہلے مرحلے میں تربیت کے کام سے اور دوسرے مرحلہ میں تفاعُل کے کام سے مختلف ہے۔ اگرچہ دوسرے مرحلہ یعنی تفاعل کے مرحلے میں یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ نیز یہ اس طریقے کا جزو ہے، جس کی اتباع اُس وقت واجب ہو جاتی ہے، جب دعوت کی ذمہ داری اٹھانے والوں کے سامنے معاشرے کے راستے بند اور جامد ہو جائیں، اور ان پر اذیت میں شدت آ جائے۔

اس لئے حزب نے اپنے اعمال میں نصرت حاصل کرنے کے عمل کا بھی اضافہ کیا، اور اسے اصحابِ قوت سے طلب کرنا شروع کیا۔ اور یہ کام دو مقاصد کے لئے کیا گیا:

نمبر1: تحفظ حاصل کرنے کی غرض سے تاکہ دعوت کا کام سلامتی واطمینان سے ہو سکے۔

نمبر2: خلافت کے قیام کے لیے حکمرانی حاصل کرنے کی خاطر، تاکہ زندگی، ریاست اور معاشرے میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو دوبارہ نافذ کیا جاسکے۔

حزب نے نُصرہ طلب کرنے کے ساتھ ساتھ وہ تمام کام بھی جاری رکھے، جو وہ پہلے سے کرتی چلی آرہی تھی۔ یعنی حلقات کی صورت میں **مرتکز تثقیف** کا سلسلہ، امت کی اجتماعی **تربیت وتثقیف** کا سلسلہ، امت کو اسلام کی ذمہ داری اٹھانے کیلئے تیار کرنے پر توجہ اور امت میں رائے عامہ پیدا کرنا، کفریہ استعماری طاقتوں کے خلاف جدوجہد، ان کے منصوبوں کو بے نقاب کرنا اور ان کی سازشوں سے خبردار کرنا، حکمرانوں کو سرزنش کرنا اور امت کے امور کی دیکھ بھال اور اس کی مصلحتوں کو اختیار کرنا۔ وہ ان کاموں کو اس امید کے ساتھ مسلسل جاری رکھے ہوئے ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اور امت مسلمہ کو کامیابی وکامرانی سے سرفراز فرمائے گا، اور خلافت کے قیام سے حزب تیسرے مرحلے میں داخل ہو گی اور مؤمنین اس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد پر خوشیاں منائیں گے۔

جہاں تک تیسرے مرحلے کا تعلق ہے، تو یہ امت اور طلبِ نُصرہ کے کام کے ذریعے حکمرانی تک پہنچنا ہے، کہ جب اسلام کو یکبارگی اور مکمل نافذ کیا جائے گا اور اس وقت حزب عملی دور میں داخل ہو جائے گی۔ خلافت کے قیام کے بعد حزب معاشرے کی فکر اور جذبات کی نگہبان ہو گی۔ حزب مسلمانوں کی زندگیوں پر اسلام کو یکبارگی نافذ کرے گی اور کسی بھی صورت میں اسلام کے تدریجاً نفاذ کو قبول نہیں کرے گی اور اسلام کی دعوت کو دنیا تک لے جانے کے لیے جہاد کا طریقہ اختیار کرے گی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر اور لوگوں پر احسان ہے کہ اسلام کے لئے رائے عامہ ہموار ہو چکی ہے اور امت کی نجات کیلئے اسلام ہی امید بن کر ابھرا ہے۔ نیز خلافت کا ذکر ہر زبان پر جاری ہو گیا ہے، جبکہ پہلے ایسا نہیں تھا۔ اور خلافت کا قیام اور شریعت کا نفاذ تمام مسلمانوں کی دلی آرزو بن گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ ہمارے قدموں کو صحیح سمت پر چلائے۔ اپنی طرف سے ہماری مدد فرمائے، اور اپنے فرشتوں اور مخلص مؤمنین کے ذریعے ہماری مدد فرمائے۔ اور اپنی طرف سے ایک عظیم نصرت سے ہمیں عزت بخشے۔ اور ہمارے لیے خلافت کے قیام اور خلیفہ مسلمین کے تقرر کو ممکن بنائے۔ جسے ہم سمع و اطاعت پر بیعت دیں، جو کتاب وسنت کے مطابق حکومت کرے، تمام مسلمان ممالک میں موجود کفریہ نظاموں کا قلع قمع کرے، تمام مسلمانوں کو خلافت کے جھنڈے تلے جمع کرے اور ریاستِ خلافت کے تحت تمام مسلمان ممالک کو پھر سے متحد کر دے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اس پر قادر بھی ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين